از عہدِ قدیم و عہدِ اسلامی تا آزادی مع تعارفِ اقوام، مذاہب و شخصیات
تاریخِ ہند
محمد الیاس ندوی بھٹکلی
ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح
شاہ ولی اللہ اکیڈمی، پھلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخِ ہند

از عہدِ قدیم و عہدِ اسلامی تا آزادی
مع تعارف اقوام، مذاہب و شخصیات

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

ناشر
فیصل انٹرنیشنل دہلی

نام کتاب	تاریخ ہند
مؤلف	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی
صفحات	۱۶۰
سن اشاعت	
باہتمام	محمد صہیب صدیقی
قیمت	/روپے
کمپیوٹر ورک و ٹائٹل ڈیزائن	فیصل کمپیوٹرس دیوبند
مطبع	فیصل پریس دیوبند
ناشر	**فیصل انٹرنیشنل**
	دریا گنج نئی دھلی ۲
فون	011-42797871
e-mail	faisalexim@gmail.com

ملنے کے پتے

FAISAL PUBLICATIONS, Jama Masjid Deoband.UP

Maulana Abul Hasan Ali Nadwi Academy

Post Box.30, Bhatkal (Karnatka)

انتساب

مخدوم گرامی ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنو کے نام جن کی صحبت وتربیت سے الحمد للہ مجھے تاریخ وجغرافیہ کو اسلامی نقطۂ نظر سے پڑھنے اور پھر اس موضوع پر کچھ لکھنے کا اللہ رب العزت نے موقع نصیب فرمایا، بشمول اس کتاب کے میری دیگر درسی ونصابی کتابیں بین الاقوامی واسلامی جغرافیہ ہندوستانی جغرافیہ اور مسلم دنیا وغیرہ مولانا ہی کی تحریک وترغیب اور سرپرستی میں قلمبند ہوئیں۔

فکر وفن اور علم وادب کا نباہ بیعت وارشاد اور خانقاہ وتصوّف سے بہت کم ہوتا ہے، اگرچہ اسلام کی زرّین تاریخ اس سے بھری پڑی ہے لیکن اس صدی میں اس کے نمونے خال خال نظر آتے ہیں حضرت مولانا اپنے ماموں مفکّرِ اسلامؒ کی طرح اس کا قابلِ دید نمونہ ہیں

اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ملّت کے اس صاحبِ بصیرت سپوت کا سایۂ عاطفت امت مسلمہ پر تادیر سلامت رکھے۔ آمین

فہرست مضامین

آٹھواں باب ہندوستان اسلامی دور میں

نواں باب ہندوستان کی خود مختار حکومتیں

دسواں باب ہندوستان انگریزوں کے عہد میں

گیارہواں باب جنگ آزادی کی نمایاں تحریکات اور اہم واقعات

بارہواں باب — تاریخ ہند کی ممتاز مسلم مذہبی شخصیات

تیرھواں باب جنگ آزادی کے نامور مجاہدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلماتِ تبریک

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی
(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلى آله واصحابه اجمعين ۔

امابعد

مولانا محمد الیاس صاحب بھٹکلی ندوی کی نئی تصنیف کردہ کتاب تاریخ ہند دیکھی، اس میں ہندوستان کے مختلف معلوماتی پہلوؤں سے واقفیت کرائی گئی ہے اس میں نئی نسل کے وسیع ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ملک کی قابلِ قدر باتوں سے واقف کرایا گیا ہے، یہ ایک اچھا کام ہے، موجودہ دنیا میں جب کہ ثقافتِ عامہ کی اہمیت ہوگئی ہے اور زندگی کے اجتماعی تقاضوں نے ماضی وحال کے اہم حالات سے اور ان حالات کا سبب بننے والے اشخاص سے واقفیت کو ضروری بنا دیا ہے، خاص طور پر مسلمانوں کے حالات سے کہ جن کے متعلق غیروں نے بہت غلط فہمیاں پھیلائی ہیں ان سے ہماری نئی نسلوں کو واقف ہونا چاہئے تاکہ ان کو یہ محسوس ہو کہ وہ ایک شاندار ماضی رکھتے ہیں اور ان کے اسلاف نے انسانیت کی جو بڑی خدمت انجام دی ہے اور ملک وقوم کو سدھارنے اور سنوارنے میں جو

بڑا حصہ لیا ہے وہ اس کو جانیں اور اپنی ماضی کی خوبیوں کو اپنائیں، اس طرح وہ صرف ایک زندہ قوم ہی ثابت نہیں ہونگے بلکہ دنیا کی ایک زبردست قائد ملت شمار ہونگے۔

مولانا محمد الیاس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ صفت عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنے کردار سے نہ صرف علمی و دینی تقاضوں کی فکر کرتے ہیں بلکہ نئی نسل کو راہِ مستقیم پر چلنے کے لئے ضروری وسائل مہیا کرنے اور کرانے کی بھی فکر کرتے ہیں اور اسلام سے ناواقف لوگوں میں مسلمانوں کا صحیح تعارف کرانے کی صورتیں اختیار کرتے ہیں انہوں نے مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے جوادارہ قائم کیا ہے وہ اس کے تحت سنجیدہ اور پُرعزم انداز سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں ،میں اس بات پر ان کو مبارکباد دیتا ہوں۔

اس کتاب میں معلومات کا انتخاب بھی اچھا ہے اور اسلوبِ بیان بھی سہل اور شگفتہ ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۳/۰۷/۱۴۲۹
۲۷/۰۷/۲۰۰۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی
(مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد

میرے سامنے اس وقت جناب مولانا محمد الیاس صاحب ندوی بھٹکلی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل کرناٹک و جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کی نئی تصنیف ''تاریخ ہند'' کے نام سے موجود ہے، اس کتاب کو انہوں نے عہدِ قدیم اور مغلیہ دور کی تاریخ اور اس کے بعد آنے والے انگریزی سامراج اور اس کے خلاف جنگِ آزادی کی کہانی، پھر اس ملک کے آزاد ہونے کا قصہ اور اس پوری تاریخ میں نمایاں شخصیات کا ذکر و تعارف، ملک کی تعمیر میں ان کے کارنامے اور مسلمانوں کا اپنے ہم وطنوں کے ساتھ تعلق اور امن و عافیت کی فضا میں زندگی گذارنا، یہ اور اس طرح کے تمام پہلوؤں کو تاریخ کی روشنی میں بیان کرنے کی ایک انوکھی اور کامیاب کوشش کی ہے، اس کتاب کو ''تاریخ ہند'' کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ سے اس کی جاذبیت میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔

اس کتاب کے بارہ ابواب میں سے سب سے پہلے باب میں قدیم ہندوستان دوسرے باب میں موجودہ ہندوستان کا جغرافیہ اور قدرتی تقسیم تیسرے باب میں ہندوستان کے اصل باشندے اور موجودہ اقوام، چوتھے باب میں ہندوستان کے قدیم مذاہب کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے اور اسلام کی آمد سے پہلے جو طبقاتی تقسیم تھی اور ان کے مذہبی رہنما اور ان کی کتابیں موجود تھیں ان کو بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں غیر ملکی قبضوں کے ذمہ دار کون لوگ ہیں، اس کے بعد ہندوستان میں اسلام کی آمد اور اسلامی دور میں ہندوستان پر کن لوگوں نے حکومت کی اور ان کی حکمرانی کا دور کب تک قائم رہا، اسی طرح ہندوستان میں خودمختار حکومتیں کب سے کب تک اپنی حکمرانی کے دور میں اپنے خوبصورت چہروں کے ساتھ رونما ہوتیں رہیں اور بالآخر انگریزی سامراج کا اس ملک پر قبضہ ہوا، پھر ان کے خلاف جنگِ آزادی کی تحریک رونما ہوئی، اس سے قبل ہندو سماج کی کتنی قسمیں ظاہر ہوئیں ان تمام تفصیلات کا ذکر کرنے کے بعد ان عظیم مسلم شخصیات کا ذکر کرنا انتہائی اہم اور تاریخ کا ضروری پہلو تھا جو ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے روشن صفحات پر اپنی جملہ خصوصیات و امتیازات کے ساتھ جلوہ افروز ہوئیں اور بالآخر ان ہی نامور شخصیتوں کے اثر سے جنگِ آزادی کے مجاہدین پیدا ہوئے اور ملک کو بدیشی سامراج کی بیڑیوں سے آزاد کرایا اور انھوں نے انگریزی سامراج کے تاریک دور سے نکال کر ملک کے عوام و خواص سب کو آزادی کی نعمت سے سرفراز کر کے غلامانہ ذہنیت کا خاتمہ کیا، ان سب کی پوری تفصیلات اس کتاب میں موجود ہیں۔

مصنف نے ہندوستان کی اس طویل وعریض تاریخ کو مختصر اور مثبت و مدلل اسلوب میں پیش کر کے تاریخی تصنیف کا ایک دلچسپ اور سبق آموز کارنامہ انجام دیا ہے حالانکہ اس تاریخ کو اگر تاریخی واقعات کی جملہ تفصیلات کے ساتھ سپرد قلم کیا جائے تو پورا ایک کتب خانہ تیار ہو جائے، مگر مقام مسرت ہے کہ عزم ونشاط سے بھرپور مؤلف نے اس ملک کی مکمل تاریخ کو صرف چودہ ابواب میں نہایت سلیس اور واضح طرز تحریر اختیار کر کے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی قدیم مثال کو زندہ کر دیا ہے۔

میں ان چند الفاظ کے ذریعہ اس وقیع اور مفید کتاب کی ترتیب وتالیف پر دل کی گہرائیوں سے مصنف کو مبارکباد پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، توقع ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب اسلامی مدارس کے ایک نصابی خلاء کو پُر کرے گی اور ہمارے تاریخی نصاب کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ثابت ہوگی۔

راقم الحروف

سعید الرحمن الأعظمي ندوی — ۱۶/۰۷/۱۴۲۹ھ

مدیر البعث الاسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ — ۲۰/۰۷/۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مؤلف

الحمد للہ رب العالمین، الرحمن الرحیم، مالک یوم الدین
والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

تصنیف وتالیف کی دنیا میں سب سے قدیم موضوع تاریخ نویسی ہے
تاریخ ایک ایسا موضوع ہے جس کے مطالعہ سے ماضی کی غلطیوں سے عبرت
حاصل ہوتی ہے اور اپنے اسلاف کے کارناموں کی روشنی میں تابناک مستقبل کی
تعمیر وتنظیم میں مدد ملتی ہے، اس سے حوصلہ ملتا ہے، ہمت بڑھتی ہے اور خود اعتمادی
میں اضافہ ہوتا ہے، بعض اوقات ماضی کے ایک سچے واقعہ سے انسان کو وہ سبق
ملتا ہے جو گھنٹوں کے وعظ وارشاد اور سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں ملتا، اسی
لئے قرآن مجید میں توحید ورسالت اور آخرت کے اثبات میں پچھلی قوموں کے
واقعات اور انبیاء کرام کے حالات زندگی سے جا بجا استدلال کیا گیا ہے۔

مختلف ممالک اور اقوام کی تاریخ میں ہمارے ملک ہندوستان کی تاریخ اپنی
قدامت، تہذیبی وثقافتی امتیازات اور خصوصیات کی وجہ سے پوری انسانی تاریخ میں
امتیازی وانفرادی شان رکھی ہے، اسی لئے یہاں کے مسلمانوں کو اس ملک کے
باشندے اور سب سے بڑھ کر ایک داعی کی ہونے کی حیثیت سے اس کی پوری تاریخ
کا مطالعہ وتجزیہ ناگزیر ہے، یوں تو ہندوستان کی تاریخ کے موضوع پر تفصیلی واجمالی

بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جو معیاری بھی ہیں اور تحقیقی بھی لیکن مدّت سے خاص کر
ہمارے دینی مدارس کے نصاب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک ایسی جامع کتاب کی
تدوین وتالیف کی ضرورت شدّت سے محسوس کی جارہی تھی جس میں بیک وقت
عہد اسلامی سے قبل ہندوستان کی قدیم اور ابتدائی تاریخ کا احاطہ بھی ہو اور اسلامی دور
کا ملک کی آزادی تک تفصیلی جائزہ بھی ، اسی کے ساتھ یہاں کے باشندوں، قوموں
اوران کے مذاہب وعقائد پر بھی اس میں روشنی ڈالی گئی ہو، اس کے علاوہ اس میں ان
مسلم مذہبی شخصیات کے حالات زندگی کا اجمالی خاکہ بھی ہو جن سے اس ملک کے
باشندوں کو توحید جیسی عظیم نعمت سے سرفراز ہونے کا اللہ تعالیٰ نے موقع عنایت فرمایا
اسی طرح مغربی سامراج سے ملک کو آزاد کرانے میں جن قابل فخر سپوتوں نے اپنی
قربانیاں پیش کیں ان کا تذکرہ بھی اس میں ہو اوران کی تحریکات کا جائزہ بھی۔

یہ اور اسی طرح کی ضرورت کے پیش نظر زیر کتاب تاریخ ہند کے نام سے الحمدللہ
مرتب کی گئی ہے ، مجھے امید ہے کہ عامۃ الناس اور عامۃ المسلمین کے ساتھ اس کے
ذریعہ انشاء اللہ ہمارے دینی مدارس کی ایک اہم نصابی ضرورت کی تکمیل ہوگی۔

میں اوّل وآخر اللہ رب العزت ہی کا شکر بجالاتا ہوں کہ محض اسی کی توفیق
اور فضل وکرم سے یہ کام انجام پایا، اس کی تکمیل پر میں اسی کی بارگاہ میں دست بدعا
بھی ہوں کہ وہ اسکو قبولیت سے نواز کر اس کے نفع کو عام فرمائے۔

میں نہایت ممنون ہوں مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی
دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی

مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کی تدوین وتألیف کے سلسلہ میں میری رہنمائی فرماتے ہوئے اپنے گرانقدر وہمت افزاء کلمات ومقدمہ سے اس کو مزین فرمایا، اس کے علاوہ میں نہایت مشکور ہوں مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی، مولانا عبدالمتین صاحب منیری، مولانا مقبول صاحب ندوی اور مولانا فیصل صاحب ندوی کا کہ ان کے مفید مشورے بھی اس کی ترتیب میں شامل رہے، اسی طرح مولانا ناصرالاسلام صاحب ندوی، مولوی رحمت اللہ ندوی مولوی ریان ندوی، اور مولوی سمعان ندوی نے بھی اس کی کتابت و پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوں اسکا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے مفید مشوروں سے نوازینگے تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کو مزید بہتر بنایا جاسکے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ جلد ہی اس کے بعد تاریخ اسلام سے متعلق اگلا حصہ بھی منظرِ عام پر آئے گا۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

محمد الیاس محی الدین ندوی

مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل

۱۴/شوال المکرم ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۴/اکتوبر ۲۰۰۸ء

پہلا باب

ہندوستان

ہمارا ملک ہندوستان ہے جس کو ہندی میں بھارت، عربی میں "الھند" انگریزی میں انڈیا (India) اور فارسی و اردو میں ہندوستان کہا جاتا ہے، اسکے باشندے ہندی میں بھارتی، عربی میں ہندی، انگریزی میں انڈین (INDIAN) اور فارسی و اردو میں ہندوستانی کہلاتے ہیں۔

موجودہ ہندوستانی دستور کی رو سے اس کا یہ نام "بھارت" ۱۹۵۰ء میں دستور ہند کی تدوین کے بعد رکھا گیا، آزادی کے بعد تین سال تک عبوری دور میں اس کو "ہند یونین" کہا جاتا تھا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا ملک انگریزوں کے قبضہ سے آزاد ہوا اور ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو اسے جمہوری ہندوستان قرار دیا گیا۔

اپنی قدامت، نمایاں محل وقوع، آبادی ورقبہ میں بے پناہ وسعت اور ہمہ رنگی مذاہب وتہذیبیں وزبانیں رکھنے والا یہ ملک الحمدللہ ہزاروں سال سے آباد ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جب سے دنیا آباد ہے تب سے روئے زمین پر ہمارے ملک کا وجود ہے، آج بھی ہمارے ملک کے مختلف علاقوں میں ہزاروں سال قبل یہاں آباد باشندوں کے مختلف تہذیبی وثقافتی نشانات کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔

قدیم ہندوستان

ہمارا ملک پہلے بہت وسیع تھا اور اس میں متعدد ہمارے پڑوسی ممالک برما بنگلہ دیش اور پاکستان شامل تھے، افغانستان کا بھی کچھ حصہ اس میں مختلف زمانوں میں شامل رہا، اسی وسعت کی وجہ سے اس کو "برصغیر" (چھوٹا براعظم) کہا جاتا تھا اور ہندوستان کی سیاسی وجغرافیائی اصطلاح کا اطلاق تاریخ کی پچھلی کتابوں میں ان سب ممالک پر ہوتا تھا مثلاً سکندر اعظم کے ہندوستان پر حملہ کے بعد یہاں موریہ خاندان کے بادشاہ چندر گپت موریہ نے جو حکومت قائم کی وہ شمال میں افغانستان سے جنوب میں کرناٹک اور مشرق میں بنگال سے مغرب میں گجرات تک پھیلی ہوئی تھی، اس وقت برصغیر کی اصطلاح ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

۱۹۳۷ء میں برما اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان نئے ملک کی حیثیت سے اس سے الگ ہوئے، ۱۹۷۱ء میں پاکستان کی بھی تقسیم ہوئی اور بنگلہ دیش وجود میں آیا۔

۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے باوجود ہمارے دو صوبوں گوا اور پانڈیچری پر بالترتیب پرتگالیوں اور فرانسیسیوں کا قبضہ تھا لیکن ۱۹۶۱ء میں ان دونوں کو آزاد کر کے ہندوستان میں دوبارہ شامل کیا گیا۔

دوسرا باب

موجودہ ہندوستان

اس وقت جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان کا اطلاق عالمی نقشہ میں اس خطۂ ارضی پر ہوتا ہے جو ۸ تا ۳۷ شمالی عرض البلد اور ۶۸ تا ۹۷ مشرقی طول البلد کے درمیان براعظم ایشیا کے جنوب میں خط استواء کے اوپر اور خط سرطان کے شمال وجنوب میں واقع ہے جس کے جنوب میں بحر ہند وسری لنکا، شمال میں نیپال چین، تبت، کوہ ہمالیہ، مشرق میں خلیج بنگال، برما، چین، بنگلہ دیش اور مغرب میں بحیرۂ عرب وپاکستان ہے۔

مشرق سے مغرب تک اس کی چوڑائی ۲۹۳۳ کلومیٹر، شمال سے جنوب تک لمبائی ۳۲۱۴ کلومیٹر اور ساحل کی لمبائی ۶۱۰۰ کلومیٹر ہے، اس طرح اس کا جملہ رقبہ ۳۲۸۷۲۶۳ مربع کلومیٹر ہے۔

پوری دنیا میں رقبہ میں ہمارا ملک اس وقت ساتویں نمبر پر ہے، اس کے تین طرف سمندر اور ایک طرف ہمالیہ کی وسیع وبلند چوٹیاں ہیں۔

اس وقت یعنی ۲۰۰۸ء تک ایک ارب تیس کروڑ کی آبادی کے ساتھ یہ پوری دنیا میں آبادی میں دوسرے نمبر پر ہے جس میں چھ لاکھ سے زائد دیہات اور چار ہزار کے قریب بڑے شہر ہیں دوسرے الفاظ میں پوری دنیا کی ۲ء۳ خشکی اور ۱۶ء۵ آبادی ہندوستان میں ہے، آبادی میں ہر دس سال میں ۲۵ فیصد اضافہ ہو رہا ہے۔

ہمارا ملک زراعتی ملک ہے، اس کی قومی آمدنی کا پچاس فیصدی حصہ زراعت ہی سے حاصل ہوتا ہے، پوری دنیا کا ۲۰ فیصد چاول اور ۵۰ فیصد چائے ہمارے ملک میں ہوتی ہے، گنا، چائے اور مونگ پھلی کی پیداوار میں یہ پوری دنیا میں پہلے نمبر پر، چاول کی پیداوار میں دوسرے نمبر پر اور گیہوں کی پیداوار میں تیسرے نمبر پر ہے یہ اس قدر وسیع ہے کہ ایک صحت مند آدمی کو اس کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک پیدل جانے کے لیے کم از کم پانچ چھ مہینے درکار ہیں۔

مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں جس میں دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ بھی ہے جو ۸۸۴۸ میٹر اونچی ہے، اس کی چوٹیوں پر جمی برف سے سال بھر شمالی ہند کے دریاؤں میں پانی بہتا رہتا ہے اور ملک کے بیشتر حصوں کو سیراب کرتا ہے ہمارے ملک کا جنوبی حصہ جزیرہ نما کی شکل میں ہے اور دریائے نربدا کے جنوب سے نیلگری گھاٹ تک کا حصہ دکن کہلاتا ہے۔

ملک کی قدرتی تقسیم

ہمارے ملک کی زمین ہر جگہ مسطح نہیں ہے بلکہ طبعی ساخت کے لحاظ سے اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ا۔ ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ:۔ یہ سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے، اس کی بلند و وسیع چوٹیاں ہمارے ملک کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھتی ہیں اور شمالی ایشیا سے آنے والی سرد ہواؤں کو ملک میں داخل ہونے سے روکتی ہیں۔

۲۔ شمالی ہند کا میدانی علاقہ:۔ گنگا و جمنا کے معاون دریاؤں سے بنا ہوا یہ دنیا کا وسیع میدانی علاقہ ہے جس میں نشیب و فراز نہیں ہے، ان ہی دریاؤں کی وجہ سے یہ پورا علاقہ زراعتی اعتبار سے بڑا زرخیز ہے، اسی لیے ان میدانی علاقوں میں آبادی بھی زیادہ ہے۔

۳۔ سطح مرتفع دکن:۔ یعنی سمندر سے اونچی زمین، یہ ہمارے ملک کے وسط میں مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا علاقہ ہے اس کو دکن بھی کہا جاتا ہے۔

۴۔ ساحلی علاقہ:۔ جنوبی سطح مرتفع دکن کے مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ساحلی علاقہ، قدرتی بندرگاہوں کی وجہ سے یہ خطہ تجارت کے لیے بہت موزوں ہے۔

تیسرا باب

ہندوستان کے قدیم باشندے

دراوڑ

اس وقت ہندوستان میں مختلف قومیں آباد ہیں جس میں برہمن ہریجن، بدھسٹ، جین، سکھ، مسلمان اور عیسائی وغیرہ ہیں، ہندوؤں میں طبقاتی اور نسلی تقسیم پائی جاتی ہے جس کے مطابق وہ دراوڑ، آریہ، منگول اور گوجر (راجپوت) جیسی قوموں کے ناموں سے پہچانے جاتے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس ملک کے اصل باشندے دراوڑ ہیں جو شمالی ہند میں کول، بھیل وغیرہ کہلاتے تھے، یہ کالے رنگ کے پستہ قد لوگ تھے، موجودہ پاکستان میں دریائے سندھ کے قریب دریائے راوی کے کنارے موہن جوداڑو اور ہڑپہ نامی دو جگہوں پر کھدائی کے بعد ان کے دو شہروں کا پتہ چلا ہے، اس میں ان کے استعمال شدہ برتنوں، کئی منزلہ پختہ عمارتوں، حمام خانوں اور سکّوں وغیرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہزاروں سال قبل ہمارے ملک میں کس قسم کی اعلیٰ تہذیب موجود تھی، جنوبی ہند میں اس وقت آباد تامل، تیلگو، کنڑی اور ملیالم وغیرہ زبانیں بولنے والے زیادہ تر لوگ اسی دراوڑی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی زبانوں کے رسم الخط بھی الگ ہیں جو دیوناگری رسم الخط یعنی ہندی حروف کے مشابہ ہیں۔

آریہ

آج سے تقریباً ۳۵۰۰ سال پہلے ان ہی دراوڑوں کے زمانہ میں وسط ایشیا سے افغانستان ہوتے ہوئے اپنے جانوروں کے لیے چراگاہوں کی تلاش میں خانہ بدوشی کی زندگی گذارنے والے آریہ نسل کے لوگ ہندوستان آئے جن کو آج کل برہمن، چھتری اور ویش کہا جاتا ہے، ان کی زبان سنسکرت تھی، اس ملک کے اصل باشندوں دراوڑوں کے ساتھ ان کی کئی جنگیں بھی ہوئیں، آریہ گورے چٹے لمبے قد والے اور اپنے مذہب کے بڑے پابند لوگ تھے، وہ مختلف بتوں جانوروں اور درختوں کی پوجا کرتے تھے، یہ سب سے پہلے سندھ آئے، اس کے بعد پنجاب پر قابض ہوئے، پھر آہستہ آہستہ پورے ہندوستان خاص کر بہار آسام، گجرات، ہمالیہ کی پہاڑیوں، بنگال، گنگا و جمنا کے آس پاس کے علاقوں اور جنوبی ہند میں پھیل گئے، اسی آریہ قوم میں ایک مشہور بادشاہ راجہ بھرت تھا جس کے نام پر ہندوستان کا نام بھارت رکھا گیا، اس کی سلطنت کا پایہ تخت گنگا کے کنارے دہلی سے تقریباً سو کلومیٹر کے فاصلہ پر شمالی جنوب میں ہستناپور تھا، اسکی چھٹی پشت میں پانڈو نام کا راجہ تھا جس کے بڑے نابینا بھائی کا نام دھرت راشٹر تھا جو اپنی معذوری کی وجہ سے شروع میں سلطنت سے محروم رہا لیکن جب پانڈو نے بعد میں ترک دنیا کر کے جنگلوں میں رہائش اختیار کی تو حکومت دھرت راشٹر کو ملی، اس کے سولڑکے تھے، دھرت کی اولاد بعد میں کورو اور پانڈو کی اولاد پانڈو کہلائی، بعد میں ان دونوں خاندانوں یعنی کوروؤں اور پانڈوؤں میں حصول سلطنت کے لئے زبردست جنگیں ہوئیں جو مہابھارت کہلائیں۔

منگول

وسط ایشیا سے آنے والے آریوں کی طرح شمال مشرق سے منگول قوم بھی ہندوستان آئی اور بنگال، آسام، بھوٹان اور نیپال وغیرہ میں آباد ہوگئی، ان کا قد چھوٹا اور ناک چپٹی تھی، موجودہ نیپالی، بھوٹانی اور تبتی قومیں بھی ان ہی منگولوں سے نسلی تعلق رکھتی ہیں۔

گوجر (راجپوت)

شمالی ہند کے اُس پار سے جو دیگر اقوام ہندوستان میں داخل ہو کر یہاں آباد ہوئیں ان میں راجپوت یعنی گوجر اور ہن کہلانے والی اقوام شامل تھیں، ان لوگوں نے گجرات، دکن، پنجاب، سندھ اور آسام میں اپنی حکومتیں قائم کیں۔

مسلمان

اس کے علاوہ ساتویں صدی عیسوی میں سندھ اور ملک کے ساحلی علاقوں وغیرہ میں عرب مسلمانوں کی بھی آمد شروع ہوئی جس کی تفصیلات اگلے صفحات میں آرہی ہیں۔لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ برّ صغیر میں اس وقت موجود مسلمانوں کی اکثریت کا نسلی تعلق یہاں کی موجودہ قدیم اقوام ہی سے ہے جن کے خاندانوں نے مختلف بزرگانِ دین کے ہاتھوں اسلام قبول کیا نہ کہ مسلمان فاتحین اور عربوں سے۔

چوتھا باب

ہندوستان کے مذاہب

ہندو مذہب

کسی بھی مؤرخ کے لئے ہندو مذہب کی ابتداء، اس کے آغاز اور اسکے بانی سے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے اور نہ یہ بات متعین طور پر کہی جاسکتی ہے کہ ہندو مذہب کے بنیادی عقائد کیا ہیں، یہ مذہب دراصل مختلف عقائد کا مجموعہ ہے جس میں ایک سے زائد خداؤں کی پرستش کی جاتی ہے اور بت پرستی کو بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے، اس کے ماننے والے مختلف طبقات اور قبائل کے الگ الگ خدا ہیں، اس مذہب کے مطالعہ سے جو بات بنیادی طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ماننے والوں نے ہر اس چیز کو خدا مانا جس سے کسی کو فائدہ پہنچا یا نقصان، اس مذہب میں ہمیشہ لچک پائی گئی جس کی وجہ سے ہر طرح کے نظریات وافکار اس میں شامل ہوتے گئے، ان کی مذہبی کتابوں میں موجود دیومالائی واقعات اور دیوی دیوتاؤں کے متعلق غیر معمولی اختیارات وتصرفات پر مشتمل قصے کہانیوں کا تعلق بھی ان کے مذہب کی اسی لچک سے ہے، یہاں تک کہ ان میں بعد میں پیدا ہونے والے مصلحین بھی آگے جا کر معبود بن گئے اور خود ان کی پرستش کی جانے لگی مثلاً مہاویر اور گوتم بدھ وغیرہ، یہ لوگ دراصل ہندو

مذہب میں پائی جانے والی قبیح رسومات اور غلط افکار و نظریات کی اصلاح کے لیے آگے بڑھے تھے لیکن ان کے ماننے والوں نے خود ان کو معبود بنالیا اور ہندو مذہب سے الگ دو نئے مذہب بدھ ازم اور جین مت وجود میں آئے۔

لیکن یہ بات طے ہے کہ اس وقت موجودہ مذاہب میں ہندوستان کا سب سے قدیم مذہب ہندومت ہی ہے، وسط ایشیاء سے آنے والے آریہ اسی ہندومت کے پیروکار تھے جس میں پتھروں، درختوں اور مجسموں وغیرہ کی پرستش کی جاتی تھی، گوسالہ پرستی یعنی گائے کی پرستش کا سلسلہ بھی ہندوستان میں ان ہی آریوں کے ذریعہ شروع ہوا اور گاؤ ماتا یعنی گائے کو معبود ماننے کا عقیدہ دیگر ہندو اقوام میں بھی رائج ہوا۔

بدھ مت

ہندومت میں ذات پات اور قربانی وغیرہ کے معاملات میں غیر ضروری سختی کے ردعمل میں کچھ لوگوں نے ہندومت کے خلاف بغاوت کی اور کچھ نئے مذاہب وجود میں آئے، ان میں سب سے بڑا مذہب بدھ مت تھا۔

بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کی ولادت نیپال کے نزدیک اتر پردیش کے ضلع گورکھپور وبستی کے شمال میں واقع ''کپل وستو'' کے قریب ''لمبانی'' میں آج سے ڈھائی ہزار سال قبل یعنی ۵۶۶ قبل مسیح میں ہوئی، ان کا اصلی نام سدارتھ تھا، وہ اپنے والد سدودھن ساکیا کے اکلوتے لڑکے تھے جو ساکیا قوم کے راجہ تھے، وہ چھتری ذات سے تعلق رکھتے تھے، ان کی والدہ کا نام مہامایا تھا، ۸۰ سال کی عمر میں گوتم بدھ کا انتقال کشی نگر (یوپی) میں ہوا۔

ان کی مذہبی وتاریخی روایات کے مطابق انھوں نے سولہ سال کی عمر میں شادی کی اور تیس سال کی عمر میں سکون کی تلاش میں اپنے بیٹے راہل اور بیوی یشودھرا اور دیگر اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر نکل گئے اور موجودہ بہار میں گیا کے مقام پر جس کو آج کل بودھ گیا کہا جاتا ہے ایک درخت کے نیچے رہنے لگے، چھ سال کے بعد نیرنجنا ندی کے کنارے ان کو ایک دن خدا کی معرفت حاصل ہوئی، اسی مجاہدہ کے بعد ان کا نام گوتم بدھ یعنی خدا کا عارف پڑا، اس معرفت کے بعد ان کا سب سے پہلا وعظ موجودہ اتر پردیش میں بنارس کے قریب سارناتھ میں ہوا۔

ان کے مذہب کے بنیادی اصولوں میں ذات پات کی مخالفت، انسانی مساوات اور ضبط نفس یعنی مجاہدہ شامل ہے، ان کے یہاں تناسخ (آواگون) کا عقیدہ بھی پایا جاتا ہے جس کے مطابق انسان کی روح اپنی موت کے بعد مختلف شکلوں میں دنیا میں واپس آتی ہے۔

اس مذہب کے ماننے والے اس وقت ہندوستان کے علاوہ چین، جاپان سری لنکا، فلپائن اور تھائی لینڈ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

جین مت

اس مذہب کے بانی ہندوؤں کی چھتری ذات سے تعلق رکھنے والے مہاویر تھے جو بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کے ہم عصر اور ویشالی (بہار) کے راجہ سدارتھ کے بیٹے تھے، وہ آج سے ڈھائی ہزار سال قبل یعنی ۵۹۹ قبل مسیح میں بہار کے ویشالی گاؤں میں پیدا ہوئے، ان کی والدہ کا نام تر شلہ تھا، جنگلوں میں بارہ سال کے طویل مجاہدہ کے بعد ان کے ماننے والوں کے عقیدہ کے مطابق ان کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی، تیس سال کی عمر میں انھوں نے گھر بار چھوڑ دیا تھا ۷۲ سال کی عمر میں ۵۲۷ قبل مسیح بہار میں پٹنہ کے قریب پاوا گاؤں میں ان کی وفات ہوئی، ان کے مذہب کا سب سے اہم اصول اہنسا یعنی عدم تشدد تھا، وہ جانوروں کی قربانی کے سخت مخالف تھے، بدھ مت کی طرح ان کے بنیادی عقائد میں بھی یہ بات شامل تھی کہ دنیا کی ہر چیز فنا ہونے کے بعد دوسری شکل میں واپس آتی ہے اور انسانی ارواح بھی موت کے بعد دوسری شکل اختیار کرتی ہیں، اس مذہب کو زیادہ عوامی مقبولیت حاصل نہیں ہوسکی، اس مذہب کے ماننے والے اب صرف ہندوستان ہی کے چند علاقوں میں موجود ہیں، ہندو ان کو اپنے ہی مذہب میں شامل کہتے ہیں جب کہ وہ خود اپنے کو ہندو مت کے بجائے الگ مذہب ہی کا پیرو سمجھتے ہیں اور ہندو سماج کا جزء ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

سکھ ازم

پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر کے زمانہ میں ہندومت میں اصلاح اور برہمنیت کے خلاف ایک اور نئی تحریک اٹھی جس کے بانی گرونانک تھے جو ۱۴۶۹ء میں ہندوؤں کی چھتری ذات میں ننکانہ صاحب میں جو لاہور پاکستان سے پچیس میل دور واقع ہے پیدا ہوئے، ستر سال کی عمر میں ۱۵۳۹ء میں ان کی وفات ہوئی، بعد میں اس تحریک نے ایک مستقل مذہب سکھ ازم کی شکل اختیار کی۔

بتایا جاتا ہے کہ ابتداء میں گرونانک کی تعلیمات میں اسلام کی طرح توحید کا تصور تھا جو آہستہ آہستہ ختم ہو کر شرک کی طرف واپس چلا گیا۔

۱۵۳۸ء میں گرونانک کے جانشین گروانگر نے مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے ایک مستقل شہر امرتسر بسایا جو اب ہندوستانی پنجاب میں واقع ہے، اس کے لیے ان کو زمین مغل بادشاہ اکبر نے دی تھی۔

سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کہلاتی ہے جس کی تالیف سکھوں کے پانچویں گرو ارجن دیو نے ۱۶۰۴ء میں شروع کی اور دسویں گرو گوبند سنگھ نے ۱۷۰۸ء میں مکمل کی، یہ گرومکھی زبان اور رسم الخط میں لکھی گئی ہے، اس کے مصرعوں کو شبد کہا جاتا ہے۔

سکھوں کے مذہبی رہنما گرو اور جن شعراء کے اشعار ان کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب میں شامل ہیں وہ سنت کہلاتے ہیں، ان میں دس گرو ہوئے گرو نانک ان کے پہلے گرو تھے، سکھ فرقہ میں داخل ہونے والوں کو بپتسمہ (اوپر سے پانی ڈالنا یا پانی پلانا) کی رسم ادا کرنی پڑتی ہے جس کے بعد ہی اس کو سکھ فرقہ میں شامل مانا جاتا ہے۔

داڑھی اور پگڑی، لمبے بال، ہاتھ میں لوہے کا کڑا اور تلوار ان کے لازمی مذہبی شعائر میں شامل ہیں، اس مذہب کے ماننے والے اپنے نام کے ساتھ سنگھ اور عورتیں کور لکھتی ہیں، یاد رہے کہ ہندوؤں میں راجپوت، ٹھاکر اور دیگر برادریاں بھی اپنے ناموں کے ساتھ سنگھ کا لفظ لگاتی ہیں۔

دنیا میں ان کا سب سے بڑا مذہبی مرکز امرتسر پنجاب (ہندوستان) میں ہے جو گولڈن ٹیمپل یعنی سنہرا مندر کہلاتا ہے، اس کے سامنے اکالی دل کے نام سے ایک عمارت ہے جس کی بنیاد گرو گوبند سنگھ نے رکھی تھی اور یہیں پر ان کی تخت نشینی ہوئی تھی، مذہبی کتاب گرنتھ صاحب دن میں گولڈن ٹیمپل میں رہتی ہے اور رات میں اس کو اکالی تخت کے کوٹھے (کمرہ) میں رکھا جاتا ہے، گولڈن ٹیمپل میں مذہبی امور انجام دیے جاتے ہیں جبکہ اکالی تخت میں دنیاوی معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

پانچواں باب

ہندوؤں کی طبقاتی تقسیم

ہندوؤں میں چار بڑے طبقے ہوئے جو مندرجۂ ذیل ہیں:

ان کی یہ تقسیم اصلاً ابتدا میں صلاحیت، تعلیم اور پیشوں کے اعتبار سے ہوئی تھی لیکن بعد میں پیدائشی (نسلی) بنیاد ہی پر یہ تقسیم قائم رہی۔

۱۔ برہمن:۔ مذہبی امور کی انجام دہی اور عبادت کے لیے۔

(یہ لوگ اب بھی ان میں سب سے اعلیٰ مرتبہ کے مانے جاتے ہیں)

۲۔ چھتری (کھتری):۔ جنگوں اور لڑائیوں میں شریک ہونے یعنی فوجی اُمور کی انجام دہی کے لیے، ہندوؤں میں برہمنوں کے بعد سب سے اونچا درجہ ان ہی کا ہے۔

۳۔ ویش:۔ صنعت، کاروبار اور کھیتی باڑی وغیرہ کے لیے۔

۴۔ شودر (ہریجن):۔ جسمانی محنت اور حقیر و ذلیل کاموں کے لیے۔

"شودر" کے معنی ناپاک کے ہیں، عام ہندو اس طبقہ کو ناپاک سمجھتے ہیں، اس لیے ان کا اونچے طبقہ کے ہندوؤں کے مندروں میں داخلہ، ان کے ساتھ رہن سہن اور ان کے ساتھ شادی بیاہ وغیرہ کی ممانعت ہے، ان کو آج کل کی اصطلاح میں دلت یا ہریجن بھی کہا جاتا ہے۔

ہریجنوں میں بھی تین ذاتیں ہیں:۔(۱)شودر(۲)چانڈال(۳)راکشش۔
چانڈال بھنگیوں کا کام کرتے ہیں جبکہ راکشش نے آریوں کی سرداری قبول کرنے کے بجائے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی، ان کی نسل آج بھی جنگلوں اور پہاڑوں میں موجود ہے جبکہ شودر محنت مزدوری اور ملازمت کرتے ہیں۔
برہمن، چھتری اور ویش کا تعلق آریہ نسل سے ہے اور شودر کا دراوڑی نسل سے۔

ہندو مذہب میں اصلاحی کوششیں

ہندو اپنے معبودوں کو اپنے گمان کے مطابق راضی کرنے کے لیے بے زبان جانوروں کو بھینٹ چڑھاتے تھے حتی کہ بعض لوگ اپنی معصوم اولاد کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، ایک عورت کے لیے بیک وقت کئی کئی شوہروں کا ہونا ان کے یہاں معیوب نہیں تھا۔

نسلی بنیادوں پر ان میں بھید بھاؤ نے ان کو متحدہ قوم بننے سے روکے رکھا تھا، عورتوں پر ظلم اور شوہر کے مرنے پر بیوی کے آگ میں جلنے یعنی ستی کی رسم ان میں عام تھی، غیر آریائی اقوام کو مندروں میں داخلہ کی اجازت نہیں تھی، مذہبی کتابوں کو ان کے لیے پڑھنا اور سیکھنا تو درکنار چھونا بھی منع تھا، باپ کی وراثت سے لڑکیوں کو محروم رکھا جاتا تھا۔

ان ہی میں سے بعض لوگ ان میں پائی جانے والی ان غلط رسومات کی اصلاح کے لیے جب آگے بڑھے تو ان کی اجتماعی مخالفت کی گئی، ان میں جین مذہب کے بانی مہاویر، بدھ مذہب کے بانی گوتم بدھ اور سکھ ازم کے بانی گرونانک سرفہرست تھے، بعد میں جین مت، بدھ مت اور سکھ ازم ہندو مت سے الگ مستقل مذہب بن گئے جس کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گذر چکی ہیں۔

ہندو مذہب کی بعض اہم اصطلاحات

پنر جنم (آواگون):۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق انسان اپنے اچھے یا بُرے اعمال کی جزا و سزا دنیا ہی میں پاتا ہے اور اسی کے مطابق اچھی یا بری شکل میں دوبارہ دنیا میں جنم لیتا ہے، اس کو پنر جنم، آواگون یا تناسخ کا عقیدہ کہا جاتا ہے یعنی انسانی روحوں کا وفات کے بعد مختلف جسموں کی شکل میں دوبارہ پیدا ہونا، دوسرے الفاظ میں ان کے عقیدہ کے مطابق انسان اپنے برے اعمال کی سزا کی وجہ سے دوبارہ مختلف شکلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

اوتار:۔ وہ انسان جس کی شکل میں دیوی دیوتا اس دنیا میں دوبارہ جنم لیتے ہیں۔

اوم:۔ خدا کا سب سے اعلیٰ نام جس کو کبھی فنا نہیں۔

ایشور/ پرمیشور:۔ یہ بھی خدا کا نام ہے، جس کے معنی ہیں سب کی حفاظت کرنے والا۔

اہنسا:۔ عدم تشدد یعنی جانوروں کے ذبیحہ اور گوشت خوری کی ممانعت۔

اشلوک:۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں راماین، مہابھارت اور گیتا وغیرہ کے اشعار۔

منو:۔ ۴۳ لاکھ سال پہلے پیدا ہونے والا ہندوؤں کا مصلح اور مذہبی رہنما تھا جو اس پورے زمانہ کے تمام لوگوں کا جدّ امجد تھا، ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق کل چودہ منو ہیں، چھ منو گذر چکے ہیں، ساتویں کا دور چل رہا ہے، سات منو بعد میں آئیں گے، ہر دو منو کے درمیان ۴۳ لاکھ سال کا وقفہ ہوتا ہے، منو کی اطاعت تمام لوگوں کے لئے لازمی ہے، ان کی مذہبی کتاب منوسمرتی موجودہ منو کی تصنیف ہے جس کا نام گورش ہے۔

وید: مصنوعی معبودوں کو خوش کرنے کے لئے پڑھا جانے والا منتر۔

ہندوؤں کے بڑے مذہبی رہنما

کرشن:۔ یہ یادوقوم کے چندر بنسی خاندان سے تعلق رکھنے والے ہندوؤں کے مذہبی رہنما ہیں، ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب بھگوت گیتا ان ہی کی تصنیف ہے، ان کا وطن اتر پردیش میں '' متھرا '' تھا، ان کے والد کا نام وسودیو اور والدہ کا دیوکی تھا، انھوں نے اپنی آبائی سلطنت ایک جنگ میں واپس حاصل کی تھی لیکن جب بعد میں ان کو شکست ہوئی تو انھوں نے گجرات میں کاٹھیاواڑ کے قریب دوارکا میں اپنی مستقل سلطنت قائم کی، پھر کوروؤں اور پانڈوؤں کی آپسی جنگ میں انھوں نے پانڈوؤں کا ساتھ دیا جس میں کوروؤں کو شکست ہوئی ہندومت میں ان کو بڑا تقدس حاصل ہے اور وہ ان کو شیو دیوتا کا اوتار سمجھتے ہیں۔

رام:۔ پانچ صدی قبل مسیح صوبہ اتر پردیش کی موجودہ راجدھانی لکھنؤ سے ڈیڑھ سو کلومیٹر مشرق میں دریائے گھاگھرا کے کنارے واقع "ایودھیا" میں رام کی پیدائش بتائی جاتی ہے، ان کے والد کا نام راجہ دسرتھ تھا جو آریہ نسل سے تھے اور ایودھیا کے بادشاہ تھے، ان کی شادی راجہ جنک کی لڑکی سیتا سے ہوئی، یہ بڑی حسین تھی جس کو بعد میں لنکا (سری لنکا) کا راجہ راون اٹھا کر لے گیا، رام نے اس وقت کے دکن کے راجہ اور بندروں کے بادشاہ سگریو کی مدد سے لنکا پہنچ کر اور اس کے فوجی افسر ہنومان کے تعاون سے راون کو قتل کر کے سیتا کو واپس

حاصل کیا، بتایا جاتا ہے کہ لنکا سے واپسی کے بعد رام نے سیتا کی پاکدامنی کا امتحان لینے کے لیے اس کو آگ میں ڈالا جس میں وہ محفوظ رہی، سیتا سے رام کے دو جڑواں بیٹے لو اور کش پیدا ہوئے، ہندوؤں کے نزدیک رام ہندو دیوتا وشنو کا ساتواں اوتار ہیں جن کو ایودھیا کے تخت سے دھوکہ سے ان کی سوتیلی ماں کی وجہ سے جس نے اپنے لڑکے بھرت کو راجہ دسرتھ کا ولی عہد بنایا تھا محروم کیا گیا تھا، وہ چودہ سال تک اپنی بیوی سیتا اور بھائی لکشمن کے ساتھ جلاوطن رہے، اس کے بعد ان کو اپنی سلطنت واپس ملی، ان کے تیسرے بھائی کا نام شتروگھن تھا، ہندوؤں میں سب سے زیادہ تقدس رام کو حاصل ہے۔

مہادیو (بڑا دیوتا) :۔ ان ہی کو شنکر اور شیو بھی کہا جاتا ہے، ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق وہ دنیا کو ختم کرنے والے یعنی قیامت برپا کرنے والے خدا ہیں ان کے جسم کا نصف حصہ مرد کا اور نصف حصہ عورت کا ہے جس میں پستان بھی ہیں اور عضو تناسل بھی، انکے عضو تناسل کی پرستش کی جاتی ہے، ان کی بیوی کا نام پاربتی ہے جس کو گوری بھی کہا جاتا ہے۔

وِشنو:۔ ہندو ان کو زندگی دینے والا خدا سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہ مخلوق کی پرورش کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ وہ اژدھے کے جسم پر آرام کر رہے ہیں جس کو شیش ناگ کہا جاتا ہے، ان کے چار منہ ہیں اور ان کے سر پر ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق پوری زمین کا بوجھ ہے، ان کی بیوی کا نام لکشمی ہے۔

شنکر:۔ یہ مہادیو ہی کا دوسرا نام ہے۔

شیو:۔ یہ بھی مہادیو ہی کا دوسرا نام ہے۔

مہیش (بڑا مالک):۔ ہندوان کو موت دینے والا خدا سمجھتے ہیں، یہ مہادیو یعنی شیو، شنکر ہی کا دوسرا نام ہے۔

برہما:۔ ہندوان کو زندگی دینے والا خدا سمجھتے ہیں، ان کے عقیدہ کے مطابق یہ اولین انسان ہیں اور سب انسان ان ہی کی اولاد ہیں، ان کی بیوی کا نام سرسوتی ہے۔

لکشمی:۔ یہ بھگوان وشنو کی بیوی ہے جس کو دولت کی دیوی سمجھا جاتا ہے، دیوالی کے تہوار کے موقع پر ان ہی کی پوجا کی جاتی ہے، اس کو پدما اور کملا بھی کہا جاتا ہے، ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق لکشمی کسی کی بیٹی نہیں تھی بلکہ اس کا ظہور سمندر سے ہوا تھا۔

سرسوتی:۔ یہ برہما کی بیوی اور عقلمندی کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔

پاربتی:۔ یہ شیو دیوتا کی بیوی ہے، اس کے دو روپ ہیں، رحمدل پاربتی گوری، اوما اور بھوانی کہلاتی ہے اور قاتل پاربتی درگا اور کالی دیوی کہلاتی ہے، درگا پوجا اسی کی طرف منسوب ہے، یہ تصویر میں ہاتھ میں کتاب لیے کنول کے پھول پر

بیٹھی ہوتی ہے، ہندو حصول علم کے لیے اس کی پوجا کرتے ہیں، ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق یہ اپنے شوہر شیو کے ساتھ ہمالیہ کی چوٹی کیلاش پہاڑ (پربت) پر رہتی ہے اسی لیے اس کو پاربتی کہا جاتا ہے۔

اگنی (آگ کا دیوتا):۔ اس کے سات بازو اور تین ٹانگیں ہیں اور منھ سے آگ نکل رہی ہے، اس کو سورج اور ستاروں کا خالق سمجھا جاتا ہے۔

گنیش:۔ ان کا دوسرا نام گنپتی ہے، وہ مہادیو یعنی شنکر یا شیو کے صاجزادے ہیں جن کا سر ہاتھی کا ہے، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کی والدہ پاربتی جب ایک دن غسل کر رہی تھی اور گنیش باہر سے پہرہ دے رہے تھے تو شیو دیو نے اندر گھسنے کی کوشش کی، گنیش نے جب ان کو روکا تو غصہ سے شیو نے اس کا سر کاٹ دیا، پاربتی نے روتے ہوئے اصرار کیا کہ مھادیو اس کا سر تلاش کر کے لائے، جب تلاش کے بعد بھی سر نہ ملا تو ایک ہاتھی کا سر کاٹ کر اس کے مردہ جسم کو لگایا گیا اور گنیش زندہ ہو گیا، ہندو اپنے عقیدہ کے مطابق برکت کے حصول کے لیے ہر کام کا آغاز ان کی پوجا سے کرتے ہیں۔

ہنومان:۔ انھوں نے بندروں کی فوج کے ذریعہ راجہ چندر جی کو ان کی بیوی سیتا کو لنکا کے راجہ سے واپس دلانے میں مدد کی تھی جس کے بعد وہ ایودھیا آگئے، تصویر میں انھیں بندر کے روپ میں دکھایا جاتا ہے، وہ بندروں کے بادشاہ سگریو کے کمانڈر تھے۔

ارجن:۔ یہ آریہ قوم کی چھٹی پشت میں پانڈو راجہ کے بیٹے تھے جن کی پہلی شادی قنوج کے راجہ پنچال کی لڑکی درو پدی سے اور دوسری شادی یادو خاندان میں مہاراج کرشنا کی بھانجی سے ہوئی تھی۔

شنکراچاریہ:۔ یہ آٹھویں صدی عیسوی کے مشہور ہندو مذہبی رہنما تھے جن کی پیدائش صوبہ کیرلا کے ایک دیہات میں ہوئی اور ۳۲ برسال کی عمر میں سری نگر کشمیر میں انتقال ہوا، انھوں نے اپنے خیالات اور افکار ونظریات کی تبلیغ کے لیے جو مراکز قائم کیے وہ مٹھ کہلائے، اس طرح پورے ہندوستان میں ان کے چار مٹھ قائم ہوئے جو مندرجہ ذیل تھے :۔

(۱) **جگناتھ پوری:۔** مشرقی ہندوستان میں صوبہ اڑیسہ کے شہر کٹک کے جنوب میں سمندر کے کنارے

(۲) **دوارکا:۔** گجرات میں بھاونگر کے قریب کاٹھیاواڑ کے شمال میں

(۳) **بدری ناتھ:۔** اتر پردیش میں گڑھوال کے پہاڑی علاقہ میں دس ہزار فٹ کی بلندی پر

(۴) **سرنگیری:۔** کرناٹک میں ساحل سمندر منگلور شہر سے مشرق کی طرف

ہندوؤں کی بڑی مذہبی کتابیں

مہابھارت: تقریباً دو ہزار سال قبل سنسکرت زبان میں لکھی ہوئی ہندوؤں کی یہ مذہبی کتاب ہے جو نوّے ہزار اشعار پر مشتمل ہے، یہ دراصل رزمیہ داستان ہے جس کو متعدد شعراء نے تصنیف کیا ہے، اس میں ہندوؤں کے دو عظیم خاندان کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان ہونے والی جنگوں کی تفصیل ہے جو مہابھارت کہلاتی ہے، یہ جنگ دہلی کے آس پاس موجود اس حکومت کے حصول کے لیے ہوئی تھی جو نو صدی قبل مسیح قائم تھی اور جس کا صدر مقام ہستنا پور تھا، اس جنگ میں ہندوستان کے تمام راجہ اور چین و یونان کے بادشاہ بھی شریک تھے، تین ہفتہ تک چلنے والی اس تاریخی جنگ میں پانڈوؤں کو فتح ملی، اس کتاب کے بنیادی مصنف دیو دیاس بتائے جاتے ہیں، بعد میں اس میں مذہب و اخلاق سے متعلق ابواب کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

رامائن:۔ رامائن یعنی رام کی کہانی، سنسکرت زبان میں تیسری صدی قبل مسیح لکھی گئی اس کتاب میں تقریباً چالیس ہزار اشعار ہیں، اس میں رام کے حالات زندگی کے علاوہ آریہ جب شمالی ہند سے جنوب کی طرف بڑھنا چاہتے تھے اور دراوڑوں کی طرف سے ان کی مزاحمت ہو رہی تھی اس دوران ان دونوں کے

درمیان جو جنگیں ہوئیں ان سب کی تفصیلات درج ہیں۔

یہ ہندوؤں کی سب سے مقبول اور ہر گھر میں پڑھی جانے والی کتاب ہے، تاریخی روایت کے مطابق یہ والمیکی نام کے ایک ہندو کی تصنیف ہے، اس کے متعدد نسخے ہیں جو رامائن کے ہی نام سے موسوم ہیں، اس میں تین ابواب ہیں ایک رام سے متعلق، دوسرا راون کے متعلق جو رام کی بیوی سیتا کو بھگا کر لنکا لے گیا تھا، تیسرا ہنومان کے متعلق جس کی مدد سے رام اپنی بیوی راون سے واپس لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

بھگوت گیتا:۔ شیو دیوتا کے اوتار کرشن نے ہندوؤں کے دو عظیم خاندانوں کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان ہونے والی مہابھارت کی جنگ سے پہلے جو پیغام آریہ قوم سے تعلق رکھنے والے پانڈو راجہ کے بیٹے ارجن کو دیا تھا اس میں اس کی تفصیل موجود ہے، یہ بھی ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے، دراصل یہ مہابھارت ہی کا حصہ ہے جس میں سے اکثر حصہ اپنیشد ہی سے ماخوذ ہے، اس کی مختلف شروحات لکھی گئی ہیں۔

وید

آریہ اپنے مصنوعی معبودوں کو خوش کرنے کے لیے جو منتر پڑھتے ہیں اس کو وید کہتے ہیں، دراصل وید کے معنی علم کے ہیں، ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق یہ وہ تعلیمات ہیں جو ان کے مذہبی رہنماؤں اور مصلحین پر القا کی گئیں اور جس کو

انھوں نے اپنے بعد میں آنے والوں تک زبانی پہنچایا، کئی صدیوں کے بعد جاکر وہ مرتب شکل میں سامنے آئیں، بعد میں اس کا اطلاق ہندوؤں کی تمام مقدس کتابوں پر ہونے لگا، یہ مذہبی کتابیں اور وید ہندوؤں کی اعلیٰ ذات ہی کی ملکیت تصور کی جاتی ہیں اور نچلی ذات کے ہندوؤں۔ کے لیے اس کا پڑھنا اور سننا جرم سمجھا جاتا ہے، اس طرح ان کے یہاں چار مشہور وید ہیں جو سنسکرت میں ہیں :۔

(۱) رگ وید (۲) یجروید (۳) سام وید (۴) اتھروید۔

ان سب کی تالیف کا زمانہ ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے، ان میں اتھروید سب سے آخری اور صرف چھ سو سال قبل مسیح کی بتائی جاتی ہے۔ سب سے پرانی رگ وید ہے جو سندھ میں آریوں کے قیام کے دوران لکھی گئی ہے جبکہ دیگر کتابیں گنگا جمنا کے آس پاس ان کے قیام کے زمانہ میں تالیف کی گئی ہیں۔

رگ وید منتر (دعاؤں)، یجروید عقائد اور قربانی کے موقعوں پر پڑھے جانے والے منتروں، سام وید مختلف رسومات کے موقعوں پر پڑھے جانے والے منتروں اور اتھروید جادو منتر پر مشتمل ہے۔

برہمنا، اُپنیشد (ویدانت) :۔ ان ویدوں کی تشریح والی کتابوں کو جو بطور ضمیمہ ان ویدوں کے آخر میں شامل تھیں اور جو ۵۰۰ تا ۳۰۰ قبل مسیح کے درمیان لکھی گئیں تھیں برھمنا اور رگ وید کی شرح کو اُپنیشد کہا جاتا ہے اُپنیشد کو ویدانت بھی کہتے ہیں، اس کا زمانہ تالیف ۷۰۰ ق م بتایا جاتا ہے۔

منوسمرتی:۔ یہ ان کی مذہبی قانونی کتاب ہے جس کے مصنف گورش بتائے جاتے ہیں، اس میں سیاسی قوانین اور اخلاقی ہدایات شامل ہیں۔

منوشاستر:۔ منوشاستر وہ مذہبی کتاب ہے جسمیں معاشرتی قوانین درج ہیں، یہ ویدوں کے بعد لکھی گئی ہے، اس میں پونے تین ہزار اشعار ہیں۔

چھٹا باب

ہندوستان میں غیر ملکی قبضوں کا آغاز

ہندوستان پر سب سے پہلے ایران کے بادشاہ ڈاریس نے جسے اردو میں دارا کہا جاتا ہے چھٹی صدی قبل مسیح حملہ کیا اور ملک کے شمالی حصوں پر جس میں سندھ اور پنجاب کے علاقے شامل تھے قبضہ کیا، اس کے بعد عالمی شہرت یافتہ فلسفی ارسطو کے شاگرد سکندر اعظم نے جو یونان میں مقدونیہ کا بادشاہ تھا ۳۲۶ قبل مسیح ہندوکش پہاڑی سلسلہ سے داخل ہوتے ہوئے شمال مغربی حصہ پر قبضہ کرلیا اور دریائے جہلم کے کنارے ایک مقابلہ میں پنجاب کے راجہ پورس کو شکست دے دی، بعد میں سکندر اعظم یہ علاقہ پورس کو واپس دے کر یونان چلا گیا لیکن راستہ ہی میں ۳۳ رسال کی عمر میں ۳۲۳ قبل مسیح بابل یعنی عراق میں اس کی وفات ہوگئی۔

موریہ خاندان کی حکومت

سکندر کے حملوں کے بعد ہندوستانیوں کو احساس ہوگیا کہ ان بیرونی حملوں سے ملک کی حفاظت کے لیے خود ان کا آپسی اتحاد ناگزیر ہے، چنانچہ سب سے پہلے موجودہ بہار کے وسطی وجنوبی علاقہ میں ہندو موریہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی اور چندر گپت موریہ اپنے وزیر چانکیا کی مدد سے ملک کا پہلا باضابطہ بادشاہ بنا، اس وقت اس کی حکومت شمال میں افغانستان سے جنوب میں کرناٹک

اور مشرق میں بنگال سے مغرب میں گجرات کے علاقہ کاٹھیواڑ تک پھیلی ہوئی تھی، چونکہ چندر گپت کی والدہ کا نام موریہ تھا اس لیے اس کی سلطنت موریہ کہلائی، اس کا صدر مقام بہار میں پاٹلی پتر (پٹنہ) تھا۔

نند خاندان کی حکومت

سکندر کے حملہ سے قبل ہندوستان میں نچلی ذات کے نند خاندان کی حکومت تھی جس سے خود چندر گپت کا تعلق تھا، اس نے اپنے خاندان کو ختم کر کے حکومت پر قبضہ کرلیا تھا، نند خاندان میں نو راجہ ہوئے، ان کا پہلا راجہ نند تھا جس سے یہ خاندان موسوم ہوا، اس کے والد مہانند اس سے پہلے ہندوستان میں قائم مگدھ حکومت کے آخری راجہ تھے، یہ ۴۱۵ھ قبل مسیح کا زمانہ بتایا جاتا ہے، مہانند کی ایک بیوی جس سے نند پیدا ہوئے نیچ ذات کی تھی، اس لیے برہمنوں کی طرف سے مخالفت کی وجہ سے نند خاندان کی حکومت ۳۲۲ھ قبل مسیح تک صرف نوّے سال ہی رہی، چندر گپت کی حکومت پورے ہندوستان میں اب تک کی کسی بھی خاندان کی سب سے بڑی اور مستحکم حکومت تھی جو شمال میں بنگال سے افغانستان اور جنوبی ہند تک پھیلی ہوئی تھی۔

چندر گپت

نند خاندان کا سب سے اہم بادشاہ چندر گپت ثانی تھا جس کا لقب بکرماجیت تھا، اس نے ہندومت کی تبلیغ کی، برہمنیت کو زندہ کیا اور سنسکرت کا احیاء کیا سنسکرت کا مشہور شاعر کالی داس اسی زمانہ کا تھا، بکرماجیت کا زمانہ ۳۷۵ء تا

۴۱۳ء کا تھا، یاد رہے کہ تین صدی قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے حکمرانوں میں چندر گپت نام کے تین بادشاہ گذرے ہیں، ان میں سب سے پہلے چندر گپت بادشاہ کی حکومت موریہ سلطنت کہلائی، یہ تین صدی قبل مسیح کا زمانہ تھا، اس کے بعد ۳۲۰ء میں گپت نام کا ایک اور راجہ پاٹلی پتر یعنی پٹنہ (بہار) میں ایک خودمختار حکومت کا ایک راجہ تھا، اس کے پوتے کا نام بھی چندر گپت تھا جو اس کے بیٹے سمدر گپت کا جانشین تھا اور چندر گپت ثانی کہلایا، اس کو بکر ماجیت بھی کہا جاتا ہے، چندر گپت ثانی نے انتقال کے وقت ہندومت کو چھوڑ کر بدھ مت اختیار کر لیا تھا، اسی کے زمانہ میں بدھ ازم کو ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں قبولیت حاصل ہوئی اور اس مذہب کی تبلیغ کے لیے ان کو سرکاری پشت پناہی بھی ملی چندر گپت ثانی کے بعد اس کے بیٹے بندوسارا نے اقتدار سنبھالا۔

اشوکہ

بندوسارا کا جانشین اشوکہ بنا، یہی وہ بادشاہ ہے جس کے پتھر کے کھمبے پر کندہ کیے ہوئے شیر کے نشانات کو ہمارے ملک کے قومی ترنگے کے درمیان رکھا گیا ہے اور اس کی تصویر ہی سرکاری مہر کی حیثیت رکھتی ہے جس کو اشوک چکر اور دھرم چکر بھی کہا جاتا ہے، اشوکہ کا شمار دنیا کے چند بڑے اور طاقتور بادشاہوں میں ہوتا ہے، اس نے بدھ ازم کی تبلیغ میں اپنی آخری عمر کا پورا حصہ صرف کیا جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے پڑوسی علاقوں سری لنکا، نیپال، تبت اور چین وغیرہ میں اس مذہب کو فروغ حاصل ہوا، اسی لیے ان ممالک میں آج ہندوستان سے زیادہ

بدھ مت کے پیروکار موجود ہیں اوران میں سے اکثر ممالک کا سرکاری مذہب بھی بدھ مت ہی ہے، اِس کے انتقال کے بعد ملک مختلف حصوں میں بٹ گیا اوراس کے پوتے سلطنت کے مالک بنے، اس خاندان کے آخری بادشاہ کواس کی فوج کے سپہ سالار پشی متر نے قتل کردیا اور خود حکومت پر قبضہ کرلیا، اس کے خاندان میں حکومت کا یہ سلسلہ تقریباً ایک سو سال تک چلتا رہا جس کے بعد اس کے آخری بادشاہ کوبھی اس کے وزیر نے قتل کردیا اور خود سلطنت کا مالک بنا، اس وزیر کا تعلق کانو خاندان سے تھا جن کی مجموعی حکومت صرف پچاس سال تک ہی چل پائی ان کے بعد حکومت کشان خاندان میں آئی جنھوں نے اشوکہ کے بعد ہندوستان کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش کی، ان کی حکومت کا پایہ تخت پشاور تھا اوراس کے حدود شمال مشرق میں اودھ تک پھیلے ہوئے تھے، کانشکا ان کا مشہور بادشاہ تھا جس نے بدھ مت اختیار کرلیا تھا، اس کے بعد دیگر کئی خاندانوں کی مختلف اوقات میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں الگ الگ حکومتیں رہیں۔

گپتا خاندان کی حکومت

موریہ خاندان کے بعد سب سے مستحکم حکومت ۳۰۰ء تا ۵۰۰ء گپتا خاندان کی ۲۰۰ سال تک رہی جو شمال میں ہمالیہ سے لے کر جنوب میں دریائے نربدا تک اور مشرق میں بنگال سے مغرب میں پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی، جنوبی ہند میں کئی ریاستیں اس کی باج گذار تھیں، اس حکومت کا بانی مگدھ کا راجہ گپت تھا جس کا جانشین اس کا بیٹا سمدر گپت ہوا، مشہور بادشاہ چندر گپت ثانی اسی کا بیٹا تھا۔

دیگر حکمراں خاندان

گپتا خاندان کے بعد ستھونا خاندان نے دریائے تنگبھدرا سے دریائے نربدا تک اپنی الگ حکومت قائم کی، ان کا اقتدار تقریباً ساڑھے چار سو سال یعنی ۲۰۰ء تک رہا، اسی طرح کدمبا خاندان کی کرناٹک کے مغربی علاقہ میں دریائے کاویری سے گوداوری تک چوتھی صدی عیسوی سے چھٹی صدی عیسوی تک علیحدہ حکومت قائم تھی اس کے علاوہ جنوبی ہند میں پانڈیا، چالوکیہ، چولا، یادو، پلو، ہوے سالا خاندانوں کی بھی حکمرانی رہی۔

گوجر (راجپوت) قوم کی آمد

پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں وسط ایشیا سے تاتاریوں نے آکر ہندوستان پر حملہ کیا اور پنجاب وغیرہ پر قبضہ کیا جن کے زوال کے بعد گوجر قوم کی جو کہ غیر ملکی تھے یہاں متعدد آزاد ریاستیں قائم ہوئیں اور مالوہ، مغربی دکن اور پنجاب وغیرہ پر ان کا قبضہ ہوگیا، یہی گوجر قوم بعد میں راجپوت کہلائی بعد میں دوسری نسل کے لوگوں نے بھی اپنے آپ کو راجپوت کہنا شروع کیا۔

گوجر قوم سورج کی پرستش کرتی تھی، ہندوستان آمد کے بعد انھوں نے بدھ مت اختیار کیا لیکن بعد میں یہاں کے ہندو برہمنوں نے ان کو اپنا سیاسی حریف بننے سے روکنے کے لیے ان کو ہندو مت میں شامل کیا، ان میں سے بہت

سے لوگوں نے اسلام بھی قبول کیا، آج بھی پاکستان اور ہندوستان میں ان کی آبادی پائی جاتی ہے۔

راجپوت بڑے بہادر اور جنگجو لوگ تھے، ان کی حکومت راجپوتانہ کہلاتی تھی موجودہ صوبہ راجستھان پہلے اسی میں شامل تھا اور یہ حکومت سولہویں صدی عیسوی تک رہی جس کے بعد اس کو مغلیہ سلطنت میں شامل کیا گیا، ان کی حکومت دریائے نربدا سے دریائے ستلج اور مشرق میں بہار تک پھیلی ہوئی تھی۔

ساتواں باب

ہندوستان سے عربوں کے تجارتی تعلقات

اہل ہند اور عربوں کے درمیان اسلام کی آمد سے قبل زمانہ قدیم ہی سے تجارتی تعلقات تھے،گرم مصالحے ، چمڑے، ناریل، ہاتھی دانت،ریشم، زعفران ململ کے کپڑے وغیرہ کی تجارت کے سلسلہ میں ہندوستان کے مغربی ساحل کیرالا یعنی مالابار وغیرہ کے علاقوں میں سمندری راستوں سے مسلسل ان کی آمد ورفت رہتی تھی، ہندوستان میں عربی گھوڑوں کی بڑی مانگ تھی اور گھوڑوں سے لدے بڑے بڑے بحری جہازوں کی آمد کا سلسلہ ملک کے مغربی ساحلوں پر سال بھر جاری رہتا تھا۔

سمندری راستوں میں ہندوستان کے مغربی ساحلوں منگلور، کیرالا وغیرہ سے اپنا تجارتی مال عرب تاجر پہلے یمن پھر وہاں سے بحر احمر کے راستہ سے شام اور پھر وہاں سے مصر اور آگے یوروپ وغیرہ لے جاتے تھے، یہ لوگ جہاز رانی میں بھی ماہر تھے۔

خشکی کے راستوں سے بھی ان عربوں کی ہندوستان سے تجارت جاری تھی، اس کے لیے وہ سندھ اور بلوچستان سے اپنا مال ایران لے جاتے اور پھر وہاں سے شام پہنچاتے۔

اسلام کی جزیرۃ العرب میں آمد اور بعثت نبوی کے بعد بھی ان کے تجارتی اسفار کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد

ان ہی عرب تاجروں یعنی مالابار، کوکن اور سری لنکا آنے والے لوگوں کے ذریعہ ہندوستان والوں کو پہلی دفعہ حضور ﷺ کی بعثت کا علم بھی ہوا، اسلام کی آمد کے بعد ان عرب تاجروں کی حیثیت مبلغین اسلام اور داعیان حق کی بھی ہوگئی، اس دوران ان عرب تاجروں نے جو زیادہ تر بصرہ، خلیج عرب اور یمن وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے مغربی ساحل پر آباد ہندوستانی عورتوں سے جو جین مذہب سے تعلق رکھتی تھیں شادیاں بھی کیں، کیرالا، کرناٹک کے شمالی وجنوبی کینرا کے اضلاع بھٹکل اور کوکن وغیرہ کے ساحلوں پر اِس وقت آباد شافعی المسلک مسلمان نسلی اعتبار سے ان ہی عربوں سے تعلق رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تہذیب وثقافت بھی عربوں سے ملتی جلتی ہے۔

اُس وقت کیرالا میں ہندوؤں کے دو بڑے طبقات نائر اور پولیار ہتے تھے نائر اونچی ذات کے تھے اور پولیو کو حقیر سمجھتے تھے چنانچہ ذات پات کے اس نظام سے تنگ آکر پولیوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا، ان مسلمان تاجروں کے علاوہ بہت سے عرب مسلمان صرف اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کی غرض سے بھی ہندوستان آئے، ان ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی برکت سے اسلام ان علاقوں سے آگے دوسرے بیرونی علاقوں مثلاً سری لنکا، مالدیپ اور

لکشادیپ وغیرہ جیسے جزائر میں بھی پھیل گیا۔

بعض تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے معجزۂ شق القمر کے واقعہ کا ہندوستان میں مالابار یعنی کیرالا کا راجہ زمورن سامری بھی عینی شاہد تھا، اس واقعہ سے متاثر ہوکر وہ اپنی رعایا کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوا اور خود حضور ﷺ سے ملاقات کی غرض سے مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑا لیکن راستہ ہی میں اس کی وفات ہوئی۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں خود سری لنکا کے راجہ کے علاوہ جنوبی ہند کے کئی اور راجہ بھی مسلمان ہو چکے تھے جن میں سرفہرست مالابار کا راجہ چیرامن پیرو مل بھی تھا جس کے بعد اسلام آگے کے ممالک انڈونیشیا، ملیشیا وغیرہ میں پہنچ گیا اور وہاں کے لوگ بھی بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

مشہور مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی تحقیق کے مطابق سترہ صحابہ کرام کی ہندوستان آمد کا ثبوت ملتا ہے، اس کے علاوہ چوالیس تابعین کا ہندوستان آنا ثابت ہے جس میں سرفہرست حضرت مالک بن دینارؒ، مالک بن حبیبؒ اور مشرف بن مالکؒ ہیں، پہلی صدی ہجری میں ان کی تعمیر کردہ مساجد اور ان کے مزارات صوبۂ کیرالا کے مختلف ساحلی علاقوں میں آج بھی موجود ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا فاتحانہ داخلہ

۱۵ ھ مطابق ۶۳۶ء میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں عمان اور بحرین کے گورنر حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کے حکم پر ان کے بھائی حضرت حکم ابن ابی العاص ثقفیؓ کی قیادت میں بمبئی کے قریب تھانہ کے علاقہ پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ہوا، اس کے بعد گجرات کے علاقہ بھروچ اور کاٹھیاواڑ پر بھی دریا کے راستے مسلمانوں نے فوج کشی کی، اس کے علاوہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بھی بعض مسلمانوں نے جس میں سرِ فہرست حارث بن مرہ عبدی تھے سیستان کے راستہ سے سندھ کی طرف کچھ پیش قدمی کی۔

سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ حضرت علیؓ کے عہد میں ہوا، اس وقت حارث عبدی ان سرحدی علاقوں کے گورنر تھے، انھوں نے سندھ پر کامیاب حملہ کیا۔

یاد رہے کہ اس زمانہ میں سندھ کا اطلاق کسی ایک صوبہ کے بجائے ایک وسیع خطہ پر ہوتا تھا جس میں بشمول موجودہ سندھ، جنوبی پنجاب، سرحد، بلوچستان اور گجرات کا شمالی حصہ شامل تھا، دوسرے الفاظ میں سندھ کا مطلب تھا جنوب میں بحیرۂ عرب و گجرات اور شمال میں جنوبی پنجاب تک اور مشرق میں مالوہ اور مغرب میں مکران تک کا علاقہ، حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ۴۴ھ میں سندھ گورنری کی یہ ذمہ داری مھلب ابن ابی صفرہ کو سونپی گئی، انھوں نے ملتان تک کا علاقہ فتح کیا۔

مسلمانوں کی باضابطہ حکومت

ہندوستان پر مسلمانوں کی پہلی باضابطہ حکومت ۹۴ھ مطابق ۷۱۳ء میں عہد بنی اُمیہ میں ولید بن عبدالملک کی خلافت کے دوران عراق کے حاکم حجاج بن یوسف کے حکم سے قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھنے والے اس کے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم ثقفی کے سندھ پر حملے و قبضے کے بعد قائم ہوئی، یہ حملہ بھی دراصل اہل سندھ کو اس کے راجہ داہر کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لیے ہی کیا گیا تھا ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایران کے فتح ہونے کے بعد سندھ اور ایران کی سرحدیں مل گئیں تھیں جس کے نتیجہ میں اسلامی سلطنت کے باغی و مجرم بھاگ کر سندھ میں پناہ لینے لگے تھے اور سندھ کا راجہ داہر ان کو روک نہ سکا تھا، اس کے علاوہ سندھ اور کاٹھیاواڑ کے ڈاکو مسلمانوں کے بحری جہازوں پر حملہ بھی کرتے تھے، حجاج بن یوسف نے جب ان کی سرکوبی کے لیے فوجی ٹولی روانہ کی تو اس کے دو فوجی سردار اس مہم کے دوران مارے گئے ۸۵ھ مطابق ۷۰۴ء میں ان باغیوں نے مکران کے مسلم گورنر کو بھی قتل کردیا چنانچہ حجاج بن یوسف نے ایک بڑی مہم محمد بن قاسم کی قیادت میں سندھ روانہ کی جس کی عمر اس وقت صرف سترہ سال تھی، مسلم افواج نے سیستان کے راستہ سے محمد بن قاسم کی قیادت میں اور دیگر افواج نے عراق کے راستہ سے سندھ و ملتان پر

حملہ کیا، راجہ داہر کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا، سندھ میں محمد بن قاسم کا قیام صرف تین سال رہا، لیکن سندھ کا یہ علاقہ بلوچستان وغیرہ کے ساتھ عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کے زیر انتظام ہی رہا، ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد سلیمان کے عہد خلافت میں محمد بن قاسم کو معزول کر کے خلیفۂ وقت کے خلاف سازش کے جرم میں کوفہ میں قید کر دیا گیا، وہیں اس کا انتقال ہوا، سندھ میں مسلمانوں کی حکومت عباسی خلیفہ معتصم کے زمانے تک رہی جہاں بغداد سے مسلم خلیفہ کی طرف سے گورنروں کی تعیین ہوتی تھی، یہ سلسلہ تقریباً تین سو سال تک جاری رہا، بعد میں یہاں کے مسلم حکمرانوں نے اپنی خودمختار حکومتیں قائم کیں۔

۱۴۰ھ مطابق ۷۵۷ء میں ہشام کے زمانہ میں مسلمانوں نے گجرات میں بھروچ کے قریب بندرگاہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کیا اور یہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی جو پورے گجرات کی پہلی مسجد تھی، خلیفہ مہدی کے زمانہ میں بھی گجرات پر مسلمانوں کے حملے ہوئے۔

سندھ میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد لاکھوں کی تعداد میں ہندوؤں بالخصوص جاٹ طبقہ نے مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا اور یہ سلسلہ بعد میں بھی برابر بڑھتا رہا، چنانچہ آج بھی سندھ اور جنوبی پنجاب کا یہ علاقہ مسلم اکثریتی علاقہ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔

آٹھواں باب

ہندوستان اسلامی دور میں

(۷۱۲ء تا ۱۸۵۷ء)

غزنوی خاندان

افغانستان میں ایک تاریخی شہر کا نام غزنہ ہے جس کی مناسبت سے وہاں کے حکمرانوں کو غزنوی کہا جاتا تھا۔

ہندوستان کی پوری تاریخ میں باضابطہ حکومت کرنے والا غزنوی خاندان ہی سب سے پہلا مسلم خاندان تھا۔

۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کے حملہ کے بعد سے چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک تقریباً تین سو سال سندھ اور ملتان پر عربوں ہی کی حکومتیں رہیں، تین سو سال کے اس طویل وقفہ کے بعد افغانستان میں درۂ خیبر کے راستہ سے وہاں کے مسلم ترک حکمراں ناصر الدین سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور پنجاب، ملتان وسندھ وغیرہ پر قبضہ کیا جس کے بعد کشمیر، قنوج، گوالیار اور گجرات وغیرہ کے راجاؤں نے بھی اس کو خراج یعنی ٹیکس دینا شروع کیا، اس وقت پنجاب پر راجہ جے پال کی حکومت تھی۔

محمود غزنوی

محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء سے ۱۰۲۷ء تک ہندوستان پر سترہ بار حملہ کیا ۱۰۲۵ء میں اس نے گجرات کے کاٹھیاواڑ خطہ میں سمندر کے کنارے واقع سومناتھ شہر پر حملہ کیا جو اپنی بے پناہ دولت وخوبصورتی اور وہاں موجود ایک بڑے مندر کی وجہ سے مشہور تھا اس نے اس پر اپنے قبضہ کے باوجود حکومت نہیں کی بلکہ وہاں کے ہندو حکمراں کو ہی بحال رکھا، اس نے ہندوستان پر اپنے ہر حملے میں کوئی نہ کوئی نیا شہر فتح کیا لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی سلطنت پنجاب، سندھ اور ملتان ہی تک محدود رکھی، محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملہ کے وقت ہمارا ملک مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور سلطنتوں میں بٹا ہوا تھا، شمال میں لاہور، اجمیر، قنوج اور مغرب میں گجرات وغیرہ پر گوجر یعنی راجپوتوں کی حکمرانی تھی، اسی طرح جنوبی ہند میں پانڈیا اور چالوکیہ خاندان کی، محمود غزنوی کی وفات غزنہ میں ۱۰۳۰ء میں ہوئی، اس کا جانشین اس کا بیٹا محمد غزنوی ہوا، سات سال کے بعد حکومت اس کے چھوٹے بھائی مسعود غزنوی کے پاس آئی، پھر دوبارہ محمد غزنوی بادشاہ ہوا، ۱۱۸۷ء میں اس خاندان کی حکومت ختم ہوئی، اس خاندان کا آخری حکمراں خسرو ملک تھا جس کو شہاب الدین غوری گرفتار کر کے غزنہ لے گیا، وہیں اس کی وفات ہوئی، محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا وہ مسلم حکمراں تھا جس نے کبھی شکست کا سامنا نہیں کیا مؤرخین عام طور پر اس کا موازنہ مشہور فلسفی ارسطو کے شاگرد اور یونان کے بادشاہ سکندر اعظم سے کرتے ہیں، اس کے متعلق انگریز مؤرخین نے یہ غلط فہمی پھیلائی کہ ہندوستان پر

اپنی حکمرانی کے دوران اس نے ہندوؤں پر غیر معمولی ظلم کیا اور ان کو جبراً اسلام میں داخل کیا جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اس کو اپنی ہندو رعایا سے بھی بڑی محبت تھی، خود اس کی فوج میں ہندو بڑے مناصب پر فائز تھے اور سومناتھ کے مندر پر اس کے حملہ کا تعلق بھی اس کی سیاسی پالیسی سے تھا، نہ کہ مذہبی معاملہ سے ۔

غوری خاندان

غور افغانستان میں غزنہ شہر کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے جس کی مناسبت سے وہاں کے لوگ غوری کہلاتے ہیں ، بارہویں صدی عیسوی کے اواخر یعنی ۱۱۸۷ء سے ۱۲۰۶ء تک ہندوستان پر غوری خاندان حکمراں رہا، ان کا سب سے پہلا حکمراں شہاب الدین محمد غوری تھا جس نے شمالی ہند میں سب سے پہلے اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی، وہ بڑا دین دار، رحم دل اور خدا ترس بادشاہ تھا اس نے سب سے پہلے ملتان پر قبضہ کیا اور پھر لاہور و دہلی پر، ۱۱۹۱ء میں اجمیر و دہلی کے حکمراں پرتھوی راج چوہان کے ساتھ لڑائی میں اس کو شکست ہوئی اس لیے کہ پرتھوی راج کے پاس ڈھائی لاکھ کی فوج تھی اور محمد غوری کے پاس صرف تین ہزار کی ،لیکن اگلے ہی سال محمد غوری نے ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج کے ساتھ اس کی تین لاکھ کی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی اس شکست کا بدلہ ترائن کے مقام پر لیا، پرتھوی راج کو گرفتار کر کے مار ڈالا، دہلی و اجمیر پر راجپوتوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور دہلی پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد اس نے قنوج کے راجہ کو بھی شکست

دے کر اپنی سلطنت کا دائرہ بنارس تک وسیع کر دیا،لیکن اس مرتبہ اس نے ہندوستان میں قیام نہیں کیا بلکہ مفتوحہ علاقہ اپنے غلام قطب الدین کے حوالہ کر کے خود غزنہ واپس چلا گیا،اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، ۱۲۰٦ء میں وہ ہندوستان آکر واپس جارہا تھا کہ جہلم کے قریب نماز کی حالت میں اس کو شہید کر دیا گیا، شہاب الدین غوری کی حکومت مشرق میں دریائے گنگا کے کنارے سے جنوب میں پشاور تک پھیلی ہوئی تھی، یہی وہ زمانہ تھا جب مشہور بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی " اجمیر تشریف لائے اور وہاں سے ہندوستان میں اپنے دعوتی و تبلیغی مشن کا آغاز کیا۔

خاندان غلامان

غوری خاندان کے بعد ۱۲۰٦ء تا ۱۲۹۰ء پورے شمالی ہند میں ہمالیہ سے دریائے برہم پتر اور سندھ تک غلاموں کی ۸۴ سال حکومت رہی، ۱۲۰٦ء میں محمد غوری کا انتقال ہوا، چونکہ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے مختلف صوبوں میں اس کے مختلف غلاموں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا لیکن جلد ہی ان سب پر قابو پا کر پورے شمالی ہند میں اس کا غلام قطب الدین ایبک حکمراں بنا، یہ وہی حکمراں تھا جس نے دہلی میں اُس وقت کے دنیا کے سب سے بلند دو سو بیالیس فٹ اونچے قطب مینار کا کام شروع کیا جو دراصل مسجد قوۃ الاسلام کا مینار تھا ۱۲۱۰ء میں شمس الدین التمش اس کا جانشین ہوا، جو خود ایک ترک غلام اور قطب الدین کا داماد تھا، وہ بڑا ہی رحم دل اور نیک تھا،اس نے اپنی سلطنت میں

سندھ، اُجین، مالوہ اور گوالیار وغیرہ شامل کیے اور ۱۲۲۸ء میں قطب مینار کی تعمیر مکمل کی، مشہور بزرگ قطب الدین بختیار کعکیؒ اسی زمانے کے تھے، التمش بڑا مذہبی اور نیک بادشاہ تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ اور تہجد کبھی فوت نہیں ہوئی، ۱۲۳۶ء میں التمش کی وفات کے بعد اس کی بیٹی رضیہ سلطانہ نے اقتدار سنبھالا، وہ ہندوستان پر حکومت کرنے والی پہلی مسلم حکمراں خاتون تھی لیکن ۱۲۴۰ء میں وہ بھی ایک بغاوت میں ماری گئی، اس کے بعد شمس الدین التمش کے پوتے علاء الدین نے چار سال تک حکومت کی، اس کو بھی ۱۲۴۶ء میں قتل کر دیا گیا، ۱۲۴۶ء تا ۱۲۶۶ء مسلسل بیس سال التمش کے چھوٹے بیٹے ناصر الدین محمود کی حکمرانی رہی، وہ نہایت دیندار، قابل اور صالح حکمراں تھا، کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس کی آمدنی پر گذارہ کرتا تھا، حضور ﷺ سے اس کو نہایت محبت تھی، اس کے ایک درباری کا نام محمد تھا، بغیر وضو اس کو وہ محمد کہہ کر نہیں پکارتا تھا، اس کا زمانہ بڑا ہی پر امن رہا، وہ لاولد تھا، اس لیے اس کے بعد حکمرانی التمش کے ترک غلام اور داماد غیاث الدین بلبن کے حصہ میں آئی، مشہور شاعر امیر خسرو اسی زمانہ کے تھے، اس خاندان کا سب سے اہم وقابل حکمراں غیاث الدین بلبن تھا جس نے ۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۶ء بیس سال حکومت کی، اس نے ہندوستان کی شمالی و مغربی سرحدوں کی حفاظت کی، تاتاریوں کے مسلسل حملوں کو ناکام بنا دیا اور اپنی حکومت مستحکم کی، غلاموں کے اس خاندان میں کل دس بادشاہ ہوئے، ان کا آخری بادشاہ کیقباد تھا جس کو خلجیوں نے قتل کر دیا تھا، ان غلاموں کا عہد اس اعتبار سے ممتاز رہا کہ ان کے عہد میں تمام غیر ملکی حملوں کو انھوں نے ناکام کر دیا تھا۔

خلجی خاندان

ترکستان سے تعلق رکھنے والے افغانستان میں برسوں سے مقیم ایک خاندان کا نام خلجی تھا جس نے ہندوستان پر ۱۲۹۰ء سے ۱۳۲۱ء تک ۳۱ سال حکومت کی، ترک غلاموں کی ہندوستان پر حکمرانی کے آخری زمانہ میں اس خاندان کا ایک شخص فیروز خلجی وزیر بن گیا تھا، اس نے ۱۲۹۰ء میں خاندان غلامان سے حکومت چھین کر اس پر قبضہ کیا اور اپنا نام جلال الدین رکھ کر حکومت شروع کی اور جلال الدین خلجی کہلایا، پنجاب پر مغلوں کے حملوں میں ہزاروں مغل قید ہوئے، جلال الدین نے ان سب کو معاف کر کے آزاد کیا تو وہ اس کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، وہ بڑا نیک دل اور صالح بادشاہ تھا، ۱۲۹۶ء میں اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی نے اس کو قتل کر کے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا، علاء الدین ایک بہادر حکمراں تھا، ۱۲۹۷ء میں دو لاکھ کی مغل افواج نے جب دہلی پر حملہ کیا تو اس نے ان کا کامیاب مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی، اس کی سلطنت پنجاب سے دکن اور گجرات تک پھیلی ہوئی تھی اور پورے ہندوستان میں اب تک کی سب سے بڑی اسلامی حکومت تھی، اسی کے زمانہ میں مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ شمالی ہند سے جنوبی ہند تک پھیل گیا۔

ہندوستان کی تاریخ میں اشوک کے بعد علاء الدین خلجی ہی سب سے وسیع مملکت کا مالک تھا، اس خاندان کا آخری بادشاہ خسرو خان تھا جو گجرات سے تعلق

رکھنے والا ایک نومسلم تھا جس کو ختم کر کے غیاث الدین تغلق نے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی ، مشہور بزرگانِ دین حضرت فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ اسی عہد کے تھے جن کے ذریعہ ہندوستان میں بڑی تیزی سے اسلام کی دعوت پھیلی اور لاکھوں لوگ اسلام میں داخل ہوئے ، پہلی دفعہ جنوبی ہند میں دکن اور کرناٹک کے علاقوں گلبرگہ ، رائچور وغیرہ میں مسلمانوں کی حکومت بھی ۷۱۱ھ مطابق ۱۳۱۱ء میں علاء الدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور کے ذریعہ ہی قائم ہوئی ، ۱۳۱۶ء میں علاء الدین کی وفات کے بعد خلجی خاندان کی حکومت کمزور ہوگئی اور ۱۳۲۱ء میں بالآخر اس خاندان کی حکومت کا ہی خاتمہ ہوگیا۔

تغلق خاندان

۱۳۲۱ء تا ۱۴۱۳ء مسلسل ۹۲ سال تغلق خاندان کی ہندوستان پر حکمرانی رہی ، ۱۳۲۱ء میں غیاث الدین تغلق نے جس کا اصلی نام غازی ملک تغلق تھا اور جو خلجی حکومت میں سپاہی تھا خلجی خاندان کے آخری حکمراں خسرو خان کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کیا ، غیاث الدین بڑا خدا ترس اور نیک حاکم تھا۔

محمد تغلق

۱۳۲۴ء میں غیاث الدین کا بیٹا محمد تغلق حکمراں بنا جو نہایت متقی و پرہیزگار اور انصاف پسند بادشاہ تھا ، وہ حافظ قرآن بھی تھا ، اس نے سینکڑوں دینی مدارس

قائم کیے، اسی نے سب سے پہلے ہمارے ملک میں تانبے کے سکے جاری کیے، اس نے ۲۶ سال حکومت کی، اسی کے عہد میں پہلی دفعہ شمالی ہند سے مسلمان حکمرانوں کے قدم جنوبی ہند میں جمے، اس نے کوشش کی کہ جنوب کے بادشاہوں کی بار بار کی بغاوتوں کا سامنا کرنے کے لیے وہیں دارالسلطنت اور سیاسی مرکز قائم کیا جائے تاکہ دکن میں بھی مسلمانوں کا تسلط برقرار رہے، چنانچہ اس نے کچھ مدت کے لیے اپنا پایہ تخت دہلی سے دکن میں دولت آباد منتقل کیا جس کا نام پہلے دیوگڑھ تھا، بعد میں دہلی ہی دوبارہ پایہ تخت ہوگیا، اس نے چین، تبت، خراسان وغیرہ کو فتح کرنے کے لیے ہندوستان سے اپنی افواج روانہ کیں لیکن اس کو اس میں کامیابی نہیں مل سکی، اس کے زمانہ میں ملک کے متعدد صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں جن میں موجودہ صوبہ کرناٹک کا گلبرگہ سرفہرست تھا جہاں علاء الدین حسن بہمنی نے اپنی الگ حکومت قائم کی تھی، گجرات کے علاوہ دیگر صوبوں میں بھی بغاوتیں ہوئیں، اس نے جملہ ۲۷ سال حکمرانی کی۔

تغلق خاندان کے دیگر حکمراں

۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء ۳۸ سال فیروز شاہ تغلق تنہا بادشاہ رہا، وہ محمد تغلق کا چچازاد بھائی تھا، اتر پردیش کا موجودہ شہر جونپور اسی کا بسایا ہوا ہے، دہلی کے قریب فیروز آباد کے نام سے بھی اس نے ایک الگ شہر بسایا تھا، اس کے انتقال کے بعد سلطنت پر قبضہ کے لیے اس کے خاندان میں خانہ جنگی شروع ہوئی، پہلے غیاث الدین تغلق دوم وارث بنا، کچھ مدت کے بعد ابوبکر تغلق نے اس پر قبضہ کیا

اس کے بعد محمد بن فیروز شاہ نے اقتدار سنبھالا، اس کے بعد سکندر شاہ نے حکومت کی، فیروز تغلق بڑا قابل، انصاف پسند، رحم دل اور نہایت دیندار بادشاہ تھا ہندوستان میں اپنی حکومت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش سب سے پہلے اسی نے کی، اور علماء کے حکم پر غیر مسلموں کو ذمی قرار دے کر جزیہ لینا شروع کیا اور دوسرے تمام ٹیکس معاف کر دیے، مشہور بزرگ شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ اسی عہد کے تھے، آل تغلق کی حکمرانی کا مجموعی دور بڑا اچھا رہا، پورے ملک میں بے شمار سڑکیں تعمیر ہوئیں، ڈاک کا نظام وسیع و مستحکم ہوا، مشہور عالمی سیاح ابن بطوطہ ان ہی کے عہد میں جب محمد تغلق حکمراں تھا ہندوستان آیا اور دہلی و آس پاس میں آٹھ سال قیام کیا ۱۳۹۸ء میں اسی خاندان کے آخری حکمراں محمود تغلق کے دور میں چنگیز خان کی نسل سے تعلق رکھنے والے منگول (مغل) بادشاہ امیر تیمور لنگ نے سمرقند سے آکر ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی پر قبضہ کرلیا، محمود تغلق گجرات بھاگ گیا، لیکن چند دنوں کے بعد جب تیمور لنگ واپس چلا گیا تو محمود تغلق دہلی واپس آگیا، ۱۴۱۲ء میں اس کی وفات ہوئی اور اسی کے ساتھ تغلق خاندان کی حکمرانی کا باب بھی بند ہو گیا۔

سید خاندان

۱۴۱۳ء تا ۱۴۵۱ء ۳۸ سال کے وقفہ کے لیے حکومت دہلی پر سید خاندان کا قبضہ رہا، ان کا پہلا بادشاہ سید خضر خان تھا جو پنجاب کا حاکم تھا، اس نے دولت خان سے جو تغلق خاندان کا وزیر تھا اور ان کے بعد دہلی پر اس کا قبضہ تھا حکومت چھین کر دہلی

پر خود قبضہ کرلیا، اس نے سات سال حکومت کی، اس کے بعد اس کا لڑکا مبارک خان بادشاہ ہوا جس کی حکومت دہلی کے علاوہ پنجاب اور ملتان پر بھی تھی، اس نے لاہور تک پہنچنے والی افغان فوجوں کو شکست دے کر واپس کابل بھیج دیا، لیکن ۱۴۳۵ء میں وہ ایک سازش میں قتل کر دیا گیا جس کے بعد خضر خان کا پوتا محمد شاہ بادشاہ بنا، اس نے بارہ سال حکومت کی، دہلی پر جونپور کے حاکم نے جب قبضہ کرنا چاہا تو پنجاب کے بادشاہ بہلول لودھی نے اس کی مدد کی، ۱۴۴۵ء میں اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے علاء الدین سے حکومت سنبھالی نہیں جا سکی جس کے بعد بہلول لودھی نے دہلی پر اپنا قبضہ کرلیا۔

لودھی خاندان

۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء ہندوستان کی مسلم حکومت لودھی خاندان میں رہی جو اصلاً پٹھان تھے اور تغلق خاندان کی حکومت میں ملازمت کرتے تھے، ان کا اقتدار ۷۵ سال تک رہا، ان کا پہلا بادشاہ ۱۴۵۱ء میں بہلول لودھی تھا جس نے ۱۴۸۸ء تک تنہا ۳۸ رسال حکومت کی، ۱۴۷۹ء میں اس نے اپنی سلطنت کا دائرہ شمال میں جونپور اور بندیل کھنڈ تک وسیع کر دیا، وہ بڑا نیک بادشاہ تھا، اس نے ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کیا، اس خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ بہلول کا بیٹا سکندر لودھی تھا جس نے اٹھائیس سال حکومت کی، اسی نے آگرہ کا شہر بسایا اور اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا، سکندر لودھی کا بیٹا ابراہیم لودھی ان کا آخری حکمراں تھا جو ۱۵۲۶ء میں

پانی پت کے میدان میں مغل بادشاہ بابر کے ساتھ جنگ میں مارا گیا، اسی کے ساتھ لودھی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

مغلیہ خاندان

مغل دراصل منگول کی بگڑی ہوئی شکل ہے، ملک منگولیا کے رہنے والوں کو منگول کہا جاتا تھا جو وسط ایشیا میں روس اور چین کے درمیان واقع ہے، یہ بڑی جنگجو قوم تھی، ان کو تاتاری اور تیموری بھی کہا جاتا تھا، یاد رہے کہ ہندوستان کی قدیم اقوام میں شمال مشرق سے آنے والی ایک اور قوم کا نام بھی منگول ہے جو آج کل تبتی، نیپالی اور بھوٹانی کہلاتے ہیں۔

مشہور فاتح امیر تیمور اس خاندان کا بانی تھا جس کا انتقال ۱۴۰۵ء میں ہوا اس کی حکومت کا دائرہ دریائے فرات سے دریائے جمنا تک پھیلا ہوا تھا، چنگیز خان بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا جس نے لاکھوں انسانوں کو قتل کر کے چین، ترکستان روس، ایران، افغانستان اور جنوب مشرقی یوروپی ممالک کو فتح کیا تھا۔

ہندوستان پر مغلیہ خاندان نے تین سو سال سے زائد عرصہ تک یعنی ۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء طویل حکمرانی کے فرائض انجام دیے۔

مغلیہ خاندان کے علاوہ اتنے طویل عرصہ تک برصغیر کی تاریخ میں کسی ایک خاندان کی حکمرانی کی مثال نہیں ملتی، ہندوستان میں مسلمانوں کی یہی آخری حکومت بھی تھی۔

مغلیہ سلطنت کا قیام

۱۵۲۶ء میں افغانستان میں کابل کے تیمور خاندان سے تعلق رکھنے والے حکمراں ظہیر الدین بابر نے پانی پت کے میدان میں دہلی کے اس وقت کے حکمراں ابراہیم لودھی کو ختم کر کے اور اس کی ایک لاکھ کی فوج کو شکست دے کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی اور مالوہ سے بنگال تک قبضہ کرلیا حالانکہ بابر کے ساتھ صرف ۱۲ ہزار کی فوج تھی۔

بابر بڑا بہادر تھا، وہ صرف گیارہ سال کی عمر میں ترکستان میں فرغانہ کا بادشاہ بنا تھا، اس کے بعد اس نے کابل میں اپنی حکومت قائم کی، پھر وہاں سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔

۱۵۲۹ء میں شمالی ہند کے مختلف ہندو راجاؤں کے ساتھ جس میں سرِ فہرست رانا سانگا تھا بابر کی سخت لڑائی ہوئی جس میں اس کو فتح ملی، حالانکہ اس کے مقابلہ میں پونے دو لاکھ کی فوج تھی، اس نے جملہ اڑتیس سال حکومت کی جس میں ہندوستان میں حکومت کے چار سال بھی شامل ہیں۔

۱۵۳۰ء میں پچاس سال کی عمر میں بابر کی وفات ہوئی، اس کی وصیت کے مطابق کابل (افغانستان) میں اس کو دفن کیا گیا۔

سوری خاندان (پٹھان)

بابر کی وفات کے بعد اس کا نوجوان بیٹا ہمایوں صرف تیس سال کی عمر میں اپنے باپ کا جانشین بنا لیکن جلد ہی اس کو ایک دوسرے افغان سردار شیر شاہ سوری سے جس کا نام فرید خان تھا اور بہار میں سہسرام کا زمیندار تھا شکست کا سامنا کرنا پڑا، ہمایوں ایران بھاگا اور ۱۵۵۵ء تک ہندوستان سے باہر رہا۔

شیر شاہ سوری بڑا قابل حکمراں تھا، اس نے جونپور کے دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی، افغانستان میں پٹھانوں کے قبیلہ سور سے اسکا تعلق تھا۔

اس کی حکومت بہار، بنگال اور دہلی سے سندھ و پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی اس نے اپنی پانچ سالہ حکومت میں پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھایا، پنجاب سے بنگال تک اس نے ملک کی سب سے بڑی تیرہ سو میل کی نئی سڑک بنوائی۔

وہ بڑا بہادر تھا، کبھی شکست کا سامنا نہیں کیا، اس نے بے شمار مسجدیں تعمیر کیں اور دہلی کے بجائے سہسرام کو اپنا پایہ تخت بنایا۔

۱۵۴۵ء میں اس کا انتقال ہوا، لیکن اس کے جانشین سلیم شاہ، فیروز شاہ محمد شاہ عادل، ابراہیم شاہ اور سکندر شاہ وغیرہ نا اہل وعیاش نکلے اور ان سے حکومت سنبھالی نہیں جا سکی۔

مغلیہ خاندان کی واپسی

سوری خاندان کی نااہلی کا فائدہ اٹھا کر ہمایوں نے ۱۵۵۵ء میں شاہ ایران کی مدد سے اپنی پندرہ ہزار فوج کے ساتھ سکندر شاہ کی اسی ہزار فوج کو شکست دے کر دہلی پر دوبارہ قبضہ کرلیا لیکن دوسرے سال ہی ہمایوں کی وفات ہو گئی، وہ دہلی میں مدفون ہوا، یہ جگہ اب ہمایون کے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کا شمار دہلی کے تاریخی مقامات میں ہوتا ہے، ہمایوں بڑا علم دوست اور مذہبی بادشاہ تھا۔

جلال الدین اکبر

ہمایوں کے بعد اس کا بڑا بیٹا جلال الدین اکبر صرف چودہ سال کی عمر میں اس کا جانشین ہوا، بیرم خان اس کا استاد تھا جو اُمور سلطنت میں اس کی رہنمائی کرتا تھا لیکن کچھ سالوں کے بعد حج کو جاتے ہوئے گجرات میں وہ بھی قتل کر دیا گیا، اکبر کو شروع میں مختلف صوبوں مثلاً اودھ، پنجاب اور مالوہ وغیرہ میں بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس نے ان سب کا کامیاب مقابلہ کیا اور سندھ قندھار، کشمیر، بہار بنگال، مالوہ گجرات، اڑیسہ، بلوچستان اور دکن وغیرہ کو اس نے ازسرِ نو اپنی سلطنت میں شامل کیا اور دوبارہ متحدہ ہندوستانی حکومت قائم کی، اس نے تقریباً پچاس سال حکومت کی، مسلسل اتنے طویل عرصہ تک ہندوستان پر کسی

بھی مسلم حکمراں نے حکومت نہیں کی، ۱۶۰۵ء میں ۶۳ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا، وہ غیر معمولی ذہانت کا حامل تھا، مذہبی رواداری کا بڑا قائل تھا اور بین المذاہب تعلقات ورشتوں اور غیر مسلموں سے شادی کا داعی ومحرک بھی، خود اس نے جے پور کی ہندو راجپوت جیارانی سے شادی کی، اپنے بیٹے جہانگیر سلیم کی شادی بھی اس نے ہندو جودھا بائی سے کرائی، وہ پڑھا لکھا نہیں تھا، اس کے باوجود اس نے علوم وفنون، صنعت وحرفت اور زراعت وتجارت کو ترقی دی، اس نے تمام مذاہب کو ملا کر ایک خود ساختہ مذہب دین الٰہی کی بنیاد رکھی، اس کو ظل اللہ کہہ کر پکارا جاتا اور سجدہ تعظیمی کیا جاتا، اس نے مہا بھارت، رامائن اور بھگوت گیتا کے فارسی ترجمے کرائے اور گائے ذبح کرنے پر پابندی لگائی، اس کی اس بد دینی اور اسلام سے دوری وبدگمانی میں اس وقت کے درباری علماء کی غلط صحبت اور خوشامد وغیرہ کو بڑا دخل تھا، ان میں ملّا مبارک کے دو لڑکے ابوالفضل اور ابوالفیض فیضی وغیرہ سر فہرست تھے، مشہور بزرگ شیخ احمد سرہندی یعنی حضرت مجدد الف ثانی" اسی زمانے کے تھے جنھوں نے بڑی حکمت کے ساتھ اس کے خود ساختہ دین الٰہی کا مقابلہ کیا اور اس کی بیخ کنی میں اہم رول ادا کیا۔

جہانگیر

۱۶۰۵ء میں اکبر کا بڑا بیٹا سلیم نور الدین جہانگیر حکمراں بنا، اس کا اصل نام شہزادگی میں سلیم تھا، وہ بڑا عالی حوصلہ، رحمدل اور علمی ذوق رکھنے والا بادشاہ تھا

اس کے روزنامچہ تزک جہانگیری نے بڑی شہرت حاصل کی، اس نے کشمیر میں عمدہ سیر گاہیں بنوائیں ، اسکی حکومت میں اس کی بیوی نور جہاں کا بڑا عمل دخل تھا ۱۶۲۸ء میں اس کی وفات ہوئی اور لاہور میں اپنی بیوی نور جہاں کے باغ "باغ دلکشا" میں تدفین ہوئی۔

شاہ جہاں

جہانگیر کے بعد اس کے بیٹے شہزادہ خرم یعنی شاہ جہاں نے اقتدار سنبھالا جس نے دہلی میں لال قلعہ اور جامع مسجد تعمیر کی اور اپنی بیوی ارجمند بانو ممتاز محل کی یاد میں آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے اس کی قبر پر اپنے استاد عیسی شیرازی کی نگرانی میں بیس ہزار مزدوروں کے ذریعے اس وقت کے تیس کروڑ روپے خرچ کر کے سترہ سال کے وقفہ میں ۱۸۴۸ء میں دنیا کا سب سے خوبصورت فن تعمیر کا نمونہ تاج محل تعمیر کرایا، اسی میں بعد میں اس کو بھی دفن کیا گیا، اس کے علاوہ اس نے تخت طاؤس بھی بنایا تھا جس کو بنانے میں سات سال لگے تھے، اس وقت کے دو کروڑ روپے کے ہیرے جواہرات اور موتی اس میں جڑے ہوئے تھے اور اس میں ڈھائی لاکھ مثقال سونا استعمال کیا گیا تھا، بعد میں یہ تخت نادر شاہ کے پاس چلا گیا۔

شاہ جہاں کے زمانے میں دکن، احمد نگر اور بیجا پور وغیرہ کا علاقہ سلطنت مغلیہ میں شامل کیا گیا، اس نے تیس سال حکومت کی، اُس وقت اس کی حکومت مسلمانوں کی سب سے بڑی، وسیع اور چین کے بعد دوسری بڑی عالمی حکومت تھی ۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ

شاہ جہاں کی بیماری کے بعد اس کے بیٹوں اورنگ زیب، داراشکوہ اور شجاع میں اقتدار کے لیے خانہ جنگی شروع ہوئی جس میں اورنگ زیب عالمگیر کو کامیابی حاصل ہوئی، داراشکوہ مارا گیا، ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب نے اقتدار سنبھالا اور اس کے بعد سیاسی مصلحت کے پیش نظر اپنے والد شاہ جہاں کو آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا جہاں آٹھ سال کے بعد ۱۶۶۶ء میں اس کی وفات ہوئی اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ داراشکوہ بدمزاج، بددین اور بڑا بداخلاق تھا شاہ جہاں اس کی حمایت کر کے اسی کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، اورنگ زیب کے ساتھ شاہ جہاں کا رویہ جانبدارانہ اور ظالمانہ تھا، اس کے باوجود قلعہ میں نظر بندی کے دوران اس نے اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا، حالانکہ شاہ جہاں اس کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کر چکا تھا، قلعہ میں اس کو ہر طرح کی آزادی تھی بلکہ بوقت ضرورت امور سلطنت میں اورنگ زیب اس سے مشورہ بھی کرتا تھا اورنگ زیب نہایت دین دار تھا، بیت المال سے اپنے ذاتی خرچ کے لیے بھی کوئی رقم نہیں لیتا تھا، ٹوپیاں سی کر اور قرآن مجید کی کتابت کر کے اپنا گذارہ کرتا تھا، وہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کا سب سے بہترین اور نیک بادشاہ تھا، اسی لیے غیر مسلم مؤرخین نے ہندوستانی تاریخ میں اس کو اسلام کے حوالہ سے بہت بدنام کیا اور اس پر ہندو رعایا کے ساتھ بدسلوکی کا الزام لگایا، حالانکہ سکھوں، شیواجی

اور مرہٹوں کے ساتھ اس کی جنگ کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ خالص سیاسی جنگیں تھیں، خود اس کی فوج میں اعلیٰ مناصب پر ہندو فائز تھے، اس نے اپنی مملکت میں شراب اور جوے پر پابندی لگادی تھی اور اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت چلانے کی کوشش کی تھی، دوسرے الفاظ میں اس نے ہندوستان میں خلافت راشدہ کے طرز پر اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کی، اس نے اکبر کے بعد سب سے طویل مدت یعنی اڑتالیس سال حکومت کی، اس کو اپنے زمانے میں پنجاب میں سکھوں اور دکن میں مرہٹوں کی بڑی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کی حکومت کا دائرہ آسام سے سندھ اور کشمیر سے کیرلا تک پھیلا ہوا تھا، اس کے انتقال کے وقت چین کے بعد پوری دنیا کی دوسری بڑی حکومت ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس تھی جس کی نظیر پوری تاریخ ہند میں اشوکہ کے بعد کسی کے زمانے میں نہیں ملتی جس کا رقبہ کابل سے کنیا کماری تک پندرہ لاکھ مربع میل یعنی چوبیس لاکھ مربع کلومیٹر تھا اور آبادی بیس کروڑ کے قریب تھی، اورنگ زیب بڑا علم پرور تھا، فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف اس کا سب سے بڑا علمی کارنامہ تھا، یہ کتاب اس نے ملک کے قابل علماء کے ذریعے آٹھ سال میں لکھوائی اور پوری کتاب خود اس نے حرف بہ حرف پڑھوا کر سنی، اس نے وصیت کی تھی کہ ٹوپیاں سی کر اس نے جو چار روپے دو آنے جمع کر رکھے ہیں اس سے اس کے کفن کا انتظام کیا جائے اور قرآن شریف کی کتابت کے جو روپے جمع ہیں اس کو مسکینوں میں تقسیم کیا جائے، اس نے لکھنؤ میں ملا قطب الدین کو ایک بڑی عمارت

ایک دینی مدرسہ کے لیے دی تھی جہاں سے ان کے فرزند ملا نظام الدین کا رائج کردہ درس نظامی آج برصغیر کے اکثر دینی مدارس میں رائج ہے، اس درس نظامی کی اکثر کتابیں بھی اورنگ زیب ہی کے زمانے میں لکھی گئی تھیں۔

اورنگ زیب بڑا خطاط بھی تھا، اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نمونے آج بھی موجود ہیں، اسی پر اس کا گذر بسر تھا، اس کی غیر معمولی دینداری میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی صحبت اور تربیت کا بڑا اثر تھا جن سے وہ بیعت بھی تھا، وہ ہمیشہ باوضو رہتا پہلی صف میں مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتا، پیر اور جمعرات کے روزے رکھتا رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتا، وہ حافظ قرآن بھی تھا، ۴۳ سال کی عمر میں بادشاہ بننے کے بعد اس نے حفظ شروع کیا اور ایک ہی سال میں حفظ مکمل کرلیا۔

دیگر مغل حکمراں

۱۷۰۷ء میں نوّے سال کی عمر میں احمد نگر میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معظم شاہ عرف شاہ عالم بہادر شاہ اس کا جانشین ہوا، اس کے بھائی اعظم اور اس میں سلطنت کے لیے سخت لڑائی ہوئی جس میں اعظم مارا گیا، یہیں سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا اور مغل بادشاہوں کی حکمرانی برائے نام رہ گئی، شاہ عالم کا جانشین معزالدین جہاندار ہوا لیکن ایک ہی سال میں اس کے بھتیجے عظیم الشان کے لڑکے فرخ سیر نے ۱۷۱۲ء میں اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جہاندار کو قتل کردیا

کچھ مدت کے بعد فرخ سیر بھی مارا گیا، اس کے بعد رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ نے تخت سنبھالا جس کے بعد اقتدار محمد شاہ کے پاس آیا، اسی کے زمانے میں ۱۷۳۸ء میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا جس میں خون کی ندیاں بہیں، مغلیہ سلطنت کی چولیں ہل گئیں اور بہار، اڑیسہ، سندھ، دکن اور کشمیر وغیرہ میں الگ الگ خودمختار سلطنتیں قائم ہوئیں، مرہٹوں نے گجرات اور مہاراشٹر پر قبضہ کر لیا۔

۱۷۴۸ء میں محمد شاہ کی وفات ہوئی اور اس کا لڑکا احمد شاہ اس کا جانشین بنا لیکن پانچ سال کے بعد اس کو تخت سے اتار کر معظم شاہ کے پوتے عالمگیر ثانی نے دہلی حکومت پر قبضہ کر لیا، ادھر افغانستان میں نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی بادشاہ بنا اور اس نے پنجاب پر قبضہ کر لیا، اس جنگ کے بعد احمد شاہ ابدالی افغانستان واپس چلا گیا اور دہلی کی حکمرانی مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کے حوالہ کی جس نے بعد میں اودھ کے حاکم شجاع الدولہ کے ساتھ مل کر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جس کی تفصیلات اگلے صفحات میں آرہی ہیں، شاہ عالم ثانی کے بعد اس کا لڑکا اکبر ثانی اس کا جانشین ہوا جو انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔

بہادر شاہ ظفر

مغل خاندان کا آخری بادشاہ جو سوئے اتفاق سے ہندوستان میں اسلامی حکومت اور مغل یعنی تیموری سلطنت کا بھی آخری بادشاہ تھا اکبر ثانی کا لڑکا بہادر شاہ ظفر تھا جو ۱۸۳۷ء سے برائے نام دہلی کا بادشاہ تھا، اس کو انگریزوں کی

طرف سے وظیفہ ملتا تھا اور اس کی حکومت لال قلعہ کی چہار دیواری تک محدود تھی وہ ایک بہترین ادیب اور شاعر بھی تھا، اس کی شاعری میں مغلیہ سلطنت کے زوال اور حوادث زمانہ کی تصویر کشی ملتی ہے، اس کا مجموعہ کلام چار جلدوں میں ہے جس میں تیس ہزار سے زائد اشعار ہیں، بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون (برما) میں ۱۸۵۷ء میں قید کر دیا، وہیں بڑی کسمپرسی کی حالت میں ۱۸۶۲ء میں اس کا انتقال ہوا، مشہور شعراء ذوق اور غالب کی اس کو شاگردی حاصل تھی، اس کا مشہور شعر یہ تھا جو اس نے اپنی جلاوطنی اور کسمپرسی کی حالت میں کہا تھا۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں

اس کا مزار رنگون (برما) میں ہے، اس طرح مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ہندوستان سے اسلامی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

احمد شاہ ابدالی کا دہلی پر حملہ اور پانی پت کی جنگ

۱۷۳۸ء میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے کابل، سندھ اور پشاور وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے جو اس وقت مغلیہ سلطنت میں شامل تھے لاہور کے راستے دہلی پر حملہ کیا اور تھانیسر کے مقام پر تین دن کے مسلسل قتل عام میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں کو ختم کیا، اس وقت دہلی پر محمد شاہ کی حکمرانی تھی، نادر شاہ پچاس کروڑ کی دولت لوٹ کر واپس ایران چلا گیا، اس کا مقصد صرف مغلیہ سلطنت میں شامل کابل میں پناہ لینے والے افغانوں کو اس کے حوالہ نہ کرنے پر محمد شاہ کو سبق سکھانا

تھا، ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کو قتل کر کے افغانستان پر احمد شاہ ابدالی قابض ہوا جس کے بعد اس نے ہندوستان کا رخ کیا اور چار بار شمالی ہندوستان پر حملہ کیا اور مغلوں سے پنجاب، سندھ اور کشمیر وغیرہ کے علاقے اپنے قبضے میں لیے، ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں مرہٹوں کو شکست ہوئی، دو لاکھ لوگ مرہٹے مارے گئے، اس جنگ کو تاریخ میں پانی پت کی تیسری جنگ سے یاد کیا جاتا ہے، اس فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی نے پنجاب، سندھ اور کشمیر کو اپنی حکومت میں شامل کیا اور افغانستان واپس چلا گیا اور دہلی میں حکومت شاہ عالم ثانی کے سپرد کی۔

مرہٹوں کا عروج

جنوبی ہند کے صوبہ مہاراشٹر کے مغربی گھاٹ میں بسنے والی ایک قوم کا نام مرہٹہ تھا جو دراصل ہندو قوم میں شودر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور نسلی اعتبار سے دراوڑ تھے، یہ اصلاً زراعت پیشہ تھے اور جنوبی ہند میں نظام شاہی یعنی احمد نگر اور عادل شاہی یعنی بیجاپور کے بادشاہوں کے پاس فوجی ملازمت کرتے تھے۔

سترہویں صدی کے اواخر میں مرہٹوں کے سردار شیواجی بھونسلے (پیدائش ۱۶۳۰ء) نے اپنی قوم کو ایک آزاد مرہٹہ ریاست کے لیے تیار کیا جب کہ اس سے قبل تک یہ غیر منظم تھے، یاد رہے کہ اس زمانہ میں مرہٹوں کا یہ پورا علاقہ سلطنت بیجاپور کے تابع تھا، شیواجی نے بیجاپور کے فوجدار افضل خان کو ختم

کر کے جب شہرت حاصل کی تو مغل بادشاہ اورنگ زیب نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے دکن کے صوبیدار شائستہ خان کو بھیجا، ۱۶۶۵ء میں ایک معاہدہ کے بعد شیواجی نے اپنے کئی علاقے اورنگ زیب کے حوالے کیے، بعد میں شیواجی کو قید کیا گیا لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے دوبارہ ویلور اور میسور کے کئی علاقوں پر قبضہ کیا، بعد میں اورنگ زیب نے بھی اس کی حکومت تسلیم کی ۱۶۷۴ء میں وہ باقاعدہ رائے گڑھ میں چھترپتی کے لقب سے تخت نشین ہوا، شیواجی کی وفات کے بعد ۱۷۰۷ء تک مغلوں کے ساتھ مرہٹوں کی کشمکش جاری رہی اور وہ ایک مستقل طاقت بن کر ابھرے، شیواجی بھونسلے کے انتقال کے بعد مرہٹوں کی قیادت ۱۷۰۷ء میں اس کے بیٹے سنبھاجی بھونسلے نے سنبھالی، اس کے بعد ان کا اقتدار بالاجی باجی راؤ کے پاس ۱۷۲۰ء تک رہا، یہی زمانہ پوری مرہٹہ تاریخ میں ان کے انتہائی سیاسی عروج کا تھا، مغلوں نے ۱۷۱۹ء میں دکن کے چھ صوبوں کے ٹیکس کی وصولی کا حق مرہٹوں کو دیا جس کے بعد مغلوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر مرہٹہ پیشوا بالاجی وشوناتھ نے گوالیار کے سندھیا، اندور کے ہولکر بروڈہ کے گیکواڑ اور ناگپور کے بھونسلے جیسے راجاؤں کے ساتھ مل کر ایک عظیم مرہٹہ اتحاد قائم کیا اور نظام حیدرآباد کو شکست دے کر مالوہ اور گجرات و پنجاب وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے دہلی تک پہنچا، اس طرح مشرق میں اڑیسہ سے جنوب میں تاملناڈو کے کئی علاقوں تک مرہٹوں کی حکومت قائم ہوگئی، یہاں تک کہ ۱۷۶۱ء میں افغانستان سے احمد شاہ ابدالی نے آکر پانی پت کے میدان میں

مرہٹوں کو تاریخی شکست دی جس میں دو لاکھ مرہٹے مارے گئے اور یہیں سے مرہٹوں کے سیاسی زوال کا آغاز ہوا، مرہٹوں نے انگریزوں کے خلاف سلطنت خداداد میسور یعنی سلطان ٹیپو شہید کی تیسری اور چوتھی جنگ میں انگریزوں ہی کا ساتھ دیا اور خود سلطنت خداداد کے خلاف بھی ان کی تنہا جنگیں ہوئیں۔

سکھوں کا عروج

اٹھارویں صدی کے اواخر میں سکھوں کے ایک نوجوان رہنما رنجیت سنگھ نے صرف اٹھارہ سال کی عمر میں لاہور پر قبضہ کیا، اس وقت سکھ کئی فرقوں میں بٹے ہوئے تھے، اس نے ان سب کو متحد کیا اور امرتسر، ملتان، کشمیر اور پشاور تک اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کیا، افغانستان کے بعض علاقے بھی اس کی سلطنت میں آگئے، ۱۸۳۹ء میں اس کے انتقال کے بعد انگریزوں نے پنجاب کا یہ علاقہ سکھوں سے چھین لیا، اس سلسلہ میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان چار جنگیں ہوئیں۔

نواں باب

ہندوستان کی خودمختار حکومتیں

بنگال کی خودمختار سلطنت

یوں تو سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ سے ہی بنگال مسلم حکمرانوں کے قبضہ میں رہا، لیکن دہلی میں لودھی خاندان کی حکومت کے دوران پورے ملک میں جو مختلف خودمختار ریاستیں قائم ہوئیں ان میں ایک اہم حکومت بنگال کی بھی تھی جس کے بعد بنگال متحدہ ہندوستان سے الگ ہوگیا، اس سلطنت کا بانی سلطان شمس الدین تھا، ۱۳۴۰ء سے ۱۶ سال اس نے مسلسل بنگال پر حکومت کی جس کے بعد اس کا بیٹا سکندر نو سال حکمراں رہا، اس کے بعد مختلف خاندانوں کی یہاں حکومت رہی، یہاں تک کہ **۱۵۳۸ء میں مغل** بادشاہ ہمایوں نے بنگال کو اپنی سلطنت میں شامل کیا، اس کے بعد بنگال شیر شاہ سوری کے قبضہ میں رہا، پھر ۱۵۹۴ء میں مغل بادشاہ اکبر نے بنگال کو دوبارہ مغلیہ سلطنت میں شامل کیا۔

مملکت آصفیہ (سلطنت حیدرآباد)

مغل بادشاہ اورنگ زیب نے اپنے عہد اقتدار میں جنوب میں واقع مختلف حکومتوں یعنی گول کنڈہ کی قطب شاہی، بیجاپور کی عادل شاہی، احمد نگر کی نظام شاہی اور بیدر کی برید شاہی سلطنتوں کو ضم کر کے ان سب کو سیاسی اعتبار سے صوبۂ دکن کے

نام سے دہلی حکومت کے ماتحت کر دیا تھا جس کو نظام شاہی حکومت بھی کہا جاتا تھا لوگ اس کو مملکت آصفیہ یا سلطنت حیدر آباد بھی کہتے تھے اور اس کے بادشاہ نظام الملک یا نظام الدولہ یا آصف جاہ کہلاتے تھے، ان کی حکومت یوں تو ۱۸۰۰ء میں انگریزوں نے ختم کر دی تھی لیکن رسمی طور پر یہ سلسلہ ہندوستان کی آزادی تک جاری رہا۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب مغلیہ سلطنت کمزور ہوئی تو دہلی کی طرف سے صوبہ دکن کے نظم و نسق کو سنبھالنے کے لیے میر قمر الدین چین قلیچ المعروف نظام الملک کو مقرر کیا گیا جو شاہ جہاں کے وزیر سعد اللہ خاں کا نواسہ تھا اور جس کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد ہو گیا تھا اور مشہور بزرگ شہاب الدین سہروردیؒ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا، ۱۷۲۴ء میں نظام الملک نے مغلیہ سلطنت سے بغاوت کر کے حیدر آباد کو اپنی سلطنت کا دار الحکومت قرار دے کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، بالآخر اس کو مغلیہ سلطنت نے بھی تسلیم کر لیا اور اس کو آصف جاہ کا خطاب دیا گیا جس سے اس کی سلطنت مملکت آصفیہ کہلائی۔ ۱۷۴۸ء میں ۷۸ سال کی عمر میں نظام کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کو لے کر اختلاف ہو گیا، اس کے بیٹے ناصر جنگ اور نواسہ مظفر جنگ میں اس کے لیے لڑائی ہوئی، اس وقت ہندوستان میں موجود فرانسیسیوں کی مدد سے مظفر جنگ کو کامیابی ملی، ناصر جنگ مارا گیا، لیکن جلد ہی مظفر جنگ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ۱۷۵۳ء میں اس کی جگہ نظام کے تیسرے بیٹے صلابت جنگ نے اقتدار سنبھالا ۱۷۵۶ء میں اس کے بھائی نظام علی کے پاس حکومت آئی جس کے بعد مملکت

آصفیہ کے ایک بڑے حصہ پر مرہٹوں نے قبضہ کرلیا لیکن ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی شکست کے بعد نظام علی مرہٹوں سے اپنا یہ مقبوضہ علاقہ واپس لینے میں کامیاب ہوا۔

سلطنت خداداد میسور کے قیام کے بعد جب نظام کو نواب حیدر علی سے خطرہ محسوس ہوا تو اس نے انگریزوں کے سیاسی حلیف بننے میں عافیت سمجھی اور ۱۷۶۸ء میں کرناٹک یعنی دکن کا ایک بڑا علاقہ سات لاکھ روپے سالانہ کے بدلے انگریزوں کو دے دیا جس کے نتیجہ میں نظام کی حکومت جو دریائے نربدا سے راس کماری اور مہاراشٹرا کے شمالی و جنوبی حصوں تک پھیلی ہوئی تھی اور تین لاکھ مربع میل تھی سمٹ کر صرف حیدرآباد کے آس پاس چند ہزار مربع میل تک محدود ہوگئی، سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد ۱۸۰۰ء میں انگریزوں نے نظام کی برائے نام حکومت کا بھی خاتمہ کردیا اور حیدرآباد کو بھی اپنے مقبوضہ علاقوں میں شامل کرلیا جس کے بعد رسمی طور پر محدود اختیارات کے ساتھ نظام شاہی حکومت انگریزوں کے زیر سرپرستی چلتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان انگریزوں کے قبضہ سے آزاد ہوا تو اس وقت کے آصف جاہ ہفتم میر عثمان علی خان نے چاہا کہ حیدرآباد کی یہ مسلم حکومت آزاد ہی رہے لیکن ۱۹۴۸ء میں ہندوستان نے فوجی کاروائی کے ذریعے جس کو پولیس ایکشن کہا جاتا ہے اس کو ہندوستان میں شامل کیا، میر عثمان علی خان علم کے بڑے قدرداں تھے، حیدرآباد کی موجودہ عثمانیہ یونیورسٹی انھوں نے ہی قائم کی تھی جس کا ذریعۂ تعلیم اردو تھا، مختلف زبانوں کی اسلامی کتابوں کے ترجمہ کے لیے انھوں نے دارالترجمہ بھی قائم کیا تھا۔

جونپور کی سلطنت (سلطنت شرقی)

تغلق خاندان کے بادشاہ محمود شاہ نے بنگال کے مغربی جانب واقع جونپور میں ملک سرور خواجہ سرا کو ۱۳۹۳ء میں گورنر کے عہدہ پر فائز کیا تھا لیکن چار سال کے بعد اس نے بغاوت کر کے اپنی ایک خود مختار حکومت قائم کی جو سلطنت جونپور کہلائی اور ۱۳۹۷ء سے ۱۴۷۸ء تک قائم رہی۔

اس کا پایہ تخت اتر پردیش کا شہر جونپور تھا جو اپنے دینی مدارس کی وجہ سے پورے ملک میں شہرت رکھتا تھا، یہیں کے دینی مدرسہ سے مشہور بادشاہ شیر شاہ سوری نے بھی تعلیم حاصل کی تھی، اپنی علمی شہرت کی وجہ سے پندرھویں صدی عیسوی میں پورے ہندوستان میں جونپور کو بڑی شہرت حاصل تھی اور اس کو "شیراز ہند" کہا جاتا تھا۔

اس سلطنت کا سب سے مشہور بادشاہ ابراہیم شرقی تھا جس نے تنہا مسلسل چالیس سال تک جونپور کا اقتدار سنبھالا، وہ علماء کا بڑا قدردان تھا، اس کے زمانہ میں پورے ہندوستان میں جونپور علم وادب کے مرکز کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا، اس نے بے شمار مدارس اور مساجد بھی تعمیر کیے۔

اس خاندان کی حکومت اسّی برس رہی، ان کا آخری بادشاہ سلطان حسین شرقی تھا، ۱۴۷۶ء میں جونپور کی اس سلطنت کا خاتمہ ہوا۔

بہمنی سلطنت

شمالی ہند میں دکن کے علاقہ میں ۱۳۴۷ء میں محمد تغلق کی دہلی پر حکمرانی کے زمانہ میں ایک بغاوت کے ذریعہ علاء الدین حسن نامی ایک شخص نے اس بہمنی سلطنت کو قائم کیا، یہ سلطنت تقریباً دوسو برس قائم رہی، اس کا پایہ تخت موجودہ ریاست کرناٹک کا تاریخی شہر گلبرگہ تھا جس کا نام اس وقت انھوں نے حسن آباد رکھا تھا، اس کے بعد پایہ تخت بیدر منتقل ہوگیا، اس خاندان میں دس بادشاہ ہوئے پہلا علاء الدین حسن اور آخری کلیم اللہ بہمنی تھا جس کا انتقال ۱۵۲۷ء میں ہوا اور اس کے ساتھ ہی بہمنی سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا، حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے خلیفہ اور مشہور بزرگ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کا مزار اسی گلبرگہ میں ہے جن سے اس ملک میں اشاعت اسلام کا بڑا کام انجام پایا۔

بہمنی نام کے متعلق بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ لفظ اصلاً برہمن تھا دکن کے راجہ علاء الدین نے گجرات پر قبضہ کے لیے اس وقت کے برہمن گجراتی راجہ کرن باگھیلا سے مدد لی تھی اس لیے اس احسان شناسی میں اس نے اپنی سلطنت کا نام برہمن رکھا جو بعد میں بہمن ہوگیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایران کے ایک بادشاہ کا نام بہمن تھا اور یہ اسی بہمن کی طرف منسوب تھا۔

اپنے زوال کے بعد بہمنی حکومت پانچ چھوٹی مندرجہ ذیل سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی:۔

-(۱) نظام شاہی (احمد نگر) (۲) قطب شاہی (گولکنڈہ) (۳)عادل شاہی (بیجاپور) (۴) عمادشاہی (برار) (۵) بریدشاہی (بیدر)

نظام شاہی سلطنت

یہ مسلم حکومت ۱۴۸۹ء تا ۱۶۳۶ء تقریباً ڈیڑھ سو سال قائم رہی، اس کا پایہ تخت موجودہ صوبہ مہاراشٹرا میں احمد نگر شہر تھا جس کو انھوں نے ہی بسایا تھا، اس سلطنت کا بانی نظام شاہ نومسلم تھا، ۱۵۰۸ء میں اس کی وفات کے بعد اس کا لڑکا برہان نظام شاہ اس کا جانشین ہوا جس نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا لیکن رعایا سنّی ہی تھی، اس کے بیٹے حسن نظام شاہ نے تالی کوٹ کے میدان میں وجے نگر کی ہندو سلطنت کے خاتمہ کے لیے متحدہ مسلم حکومتوں کے محاذ میں شرکت کی تھی ۱۶۳۶ء میں یہ حکومت مغل حکمراں شاہ جہاں کے زمانہ میں مغلیہ سلطنت میں شامل کرلی گئی، ان کا آخری بادشاہ مرتضیٰ نظام شاہ سوم تھا۔

قطب شاہی سلطنت

اس سلطنت کا پایہ تخت آندھراپردیش میں گولکنڈہ تھا اور حکومت پورے تلنگانہ خطہ پر تھی جہاں تیلگو زبان بولی جاتی تھی، ان کی حکومت دو سو سال سے زائد رہی، اس سلطنت کا بانی سلطان قلی قطب شاہ تھا جو خود شیعہ تھا اور سلطنت کا سرکاری مذہب بھی، وہ محمد شاہ بہمنی کی حکومت میں تلنگانہ کا گورنر تھا، ۱۵۴۳ء میں

نوے سال کی عمر میں اس کو قتل کر دیا گیا جس کے بعد اس کا لڑکا جمشید قطب شاہ اس کا جانشین ہوا، ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے اس کو مغلیہ سلطنت میں شامل کر دیا، ان کا آخری بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ تھا، حیدر آباد کی مشہور مکہ مسجد، چار مینار اور حسین ساگر کی جھیل وغیرہ ان ہی کے عہد کی یادگاریں ہیں۔

عادل شاہی سلطنت

موجودہ صوبہ کرناٹک میں بیجاپور کے علاقہ میں یہ سلطنت قائم تھی، شہر بیجاپور اس کا پایہ تخت تھا، اس سلطنت کا قیام بہمنی سلطنت کے آخری عہد میں ۱۴۸۹ء میں عمل میں آیا، اس کا بانی عادل شاہ تھا جو پہلے بہمنی سلطنت میں بیجاپور کا صوبہ دار تھا، اس نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا، اس نے ۱۵۰۹ء میں پرتگیزیوں کو شکست دے کر گوا پر بھی قبضہ کر لیا، ۱۵۱۰ء میں اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اسماعیل عادل شاہ نے اقتدار سنبھالا، اس کے بعد ملو عادل شاہ نے، پھر اس کے بعد اس کے بھائی ابراہیم عادل شاہ نے جس نے شیعیت سے توبہ کر کے سنی حنفی مسلک اختیار کر لیا تھا لیکن اس کے بیٹے علی عادل شاہ نے دوبارہ شیعہ مذہب اختیار کر لیا، اسی کے زمانہ میں آس پاس کی مسلم حکومتوں نے متحدہ محاذ قائم کر کے وجے نگر کی ہندو حکومت کا تالی کوٹ کے میدان میں ۱۵۶۴ء میں خاتمہ کیا تھا، ۱۶۸۵ء میں اورنگ زیب کے زمانہ میں بیجاپور کی اس عادل شاہی سلطنت کو سلطنت مغلیہ میں شامل کیا گیا، بیجاپور کے مسلم بادشاہوں کو مساجد اور خوبصورت تعمیرات کا بڑا اچھا ذوق تھا جس کے نمونے آج بھی ان علاقوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

عماد شاہی سلطنت

یہ بہت چھوٹی حکومت تھی جو ۱۴۷۵ء سے ۱۵۷۶ء تک تقریبا سو سال رہی، برار (مہاراشٹرا) اس کا پایہ تخت تھا، اس سلطنت کا بانی فتح اللہ عماد الملک تھا اسی نسبت سے اس کی حکومت عماد شاہی کہلائی، وہ محمود شاہ بہمنی کے عہد میں برار کا گورنر تھا اور نو مسلم تھا، اس کا جانشین اسی کا لڑکا علاء الدین عماد شاہ ہوا، ان کا آخری بادشاہ برہان عماد شاہ تھا۔

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد سب سے پہلے اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے والی یہی عماد شاہی حکومت تھی، احمد نگر کی نظام شاہی حکومت نے ۱۵۷۶ء میں اس کو اپنی سلطنت میں ضم کر دیا، وجے نگر کی ہندو سلطنت کے خلاف مسلم حکومتوں کے متحدہ محاذ میں یہ حکومت شریک نہیں تھی۔

برید شاہی سلطنت

محمود شاہ بہمنی کے زمانہ میں مرہٹہ خطہ کا گورنر محمد قاسم برید تھا جس نے موقع پا کر ۱۵۲۶ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اس سلطنت کا پایہ تخت موجودہ کرناٹک میں بیدر شہر تھا، ۱۶۰۹ء میں اس سلطنت کا خاتمہ ہوا، ان کا آخری بادشاہ امیر برید دوم تھا، اس خاندان کی حکومت تقریباً تراسی (۸۳) سال رہی۔

ہنور کی عربی اسلامی سلطنت

جنوبی ہند میں ہندوؤں کی خالص مذہبی سلطنت وجے نگر کے زمانے میں بحیرہ عرب کے ساحلی علاقہ میں آٹھویں صدی ہجری یعنی ۷۳۰ھ میں موجودہ صوبہ گوا سے جنوبی جانب مغربی گھاٹ میں صوبہ کرناٹک کے موجودہ ضلع کاروار میں بھٹکل سے قریب ہنور (ہناور) شہر کے ساحلی خطہ میں خالص عربوں سے نسلی تعلق رکھنے والے قبیلہ نوائط کے مسلمانوں کی ایک الگ اسلامی حکومت قائم تھی جس کو مؤرخین سلطنت ہنور کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس کا بادشاہ سلطان جمال الدین محمد بن حسن تھا جس کے پاس ایک مضبوط بحری بیڑے کے علاوہ چھ ہزار کی فوج تھی، پڑوس کی ہندوؤں کی گوا کی سلطنت کے ساتھ ایک جنگ میں اس مسلم سلطنت کا خاتمہ ہوا، اس سلطنت کے قیام کے دوران مشہور عالمی سیاح ابن بطوطہ ہندوستان میں مقیم تھا، وہ یہاں بھی پہنچا اور اپنے سفرنامہ میں اس جگہ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا کہ یہاں میں نے ۲۳ دینی مدرسے دیکھے جس میں صرف لڑکیوں کے لیے ۱۳ مدرسے خاص تھے، حفظ قرآن کا یہاں کے باشندوں میں عام رواج تھا، مسلمانوں کے عائلی مسائل کے حل کے لیے دارالقضاء قائم تھا، یہاں کے مسلمان عربی النسل، شافعی المسلک اور تجارت پیشہ تھے، غیر مسلموں کی آبادی جین مت سے تعلق رکھتی تھی، آج کل بھٹکل (کرناٹک) و آس پاس میں آباد مسلمان اسی عربی النسل قبیلہ نوائط سے تعلق رکھتے ہیں۔

وجے نگر کی ہندو سلطنت

جنوبی ہند میں دریائے تنگبھدرا کے جنوب میں وجے نگر ایک تاریخی شہر کا نام ہے، جس کے کھنڈرات ہمپی (Hampi) نامی گاؤں میں واقع ہیں، یہاں محمد تغلق کے زمانے میں اس وقت کے ہندوؤں کے مشہور مذہبی رہنما جگت گرو شنکر اچاریہ مہاویر کے تعاون سے میسور کے شکست خوردہ راجہ بلالاسوم نے مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ سیاسی محاذ بنا کر ایک خالص ہندو سلطنت کی بنیاد رکھی تھی جس کو سلطنت وجے نگر کہا جاتا تھا۔

راجہ ہری ہر جو محمد تغلق کی طرف سے بلّاری کا گورنر تھا اس ہندو سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا، ۱۳۴۶ء میں اس کے انتقال کے وقت اس سلطنت کی سرحدیں دریائے تنگ بھدرا سے بحیرۂ عرب تک پھیلی ہوئی تھیں، اسی سے متصل مسلمانوں کی بہمنی سلطنت تھی، ان دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سی ہندو ریاست ورنگل میں بھی تھی جس کو فتح کر کے بہمنی سلطنت میں شامل کیا گیا تھا، ۱۳۶۵ء میں وجے نگر اور بہمنی سلطنت میں جنگ ہوئی جس میں ہزاروں مسلمان مارے گئے بعد میں وجے نگر کے راجہ نے ملیبار اور مدورا کے علاقوں پر بھی حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور اس سلطنت کا دائرہ جنوب میں کیرلا کے راس کماری تک پہنچا دیا ۱۴۶۷ء تا ۱۴۷۹ء میں وجے نگر کے راجہ ویرا کشا کے زمانہ میں جب مغربی ساحلی خطہ گوا میں آباد ہزاروں مسلمانوں کا ہندو سلطنت کے ذریعہ قتل عام ہوا تو

بہمنی سلطنت کے گلبرگہ میں مقیم وزیر محمود گاواں نے گوا پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ویراکشا سے نجات دلائی جس کے بعد خود ہندوؤں نے ویراکشا کو ہٹا کر جو ڈیڑھ سو سال تک حکومت کرنے والے سنگما خاندان سے تعلق رکھتا تھا تلنگا خاندان کے ایک شخص نرسمہا کو تخت پر بٹھایا، لیکن ۱۴۹۹ء میں ایک تیسرے خاندان تلودانے اس پر قبضہ کیا۔

۱۵۲۰ء میں گوا میں موجود پرتگالیوں سے مل کر وجے نگر کے راجہ کرشنا دیورایا نے سات لاکھ فوج کے ساتھ مسلمانوں کی سلطنت بیجاپور پر حملہ کر دیا ۱۵۵۱ء میں بیجاپور اور ۱۵۵۸ء میں احمد نگر کی مسلم سلطنت پر بھی وجے نگر کا قبضہ ہو گیا، اس وقت اس سلطنت کا راجہ رام راج تھا جو انتہائی متعصب ہندو تھا، ان سب حالات کو دیکھ کر دکن کے تمام مسلم سلاطین نے متحد ہو کر ۱۵۶۵ء میں دریائے کرشنا سے ۲۵ میل دور تالی کوٹہ کے میدان میں ایک قیامت خیز جنگ میں اس ہندو سلطنت کا خاتمہ کر دیا، اس جنگ میں مسلمانوں کے پاس ڈھائی لاکھ اور ہندوؤں کے پاس پانچ لاکھ کی فوج تھی، اس میں ایک لاکھ سے زائد ہندو مارے گئے، مسلم سلاطین اس فتح کے چھ ماہ بعد وجے نگر کو مختلف ہندو راجاؤں میں بانٹ کر واپس اپنی اپنی سلطنتوں میں چلے گئے اور اپنے علاقوں پر حسب سابق حکومت کرنے لگے۔

سلطنت خداداد (سلطنتِ میسور)

مکہ مکرمہ سے سترھویں صدی کے اوائل میں ایک عرب خاندان تلاش روزگار میں عراق وایران ہوتے ہوئے پنجاب آیا، پھر وہاں سے جنوبی ہند میں ہندو سلطنت وجے نگر کے زوال کے بعد موجودہ کرناٹک میں میسور شہر کے قریب آ کر بس گیا، اسی خاندان کے ایک فرد حیدر علی نے میسور کے راجہ کرشناراج کے پاس فوجی ملازمت شروع کی، ۱۷۵۲ء میں وہ میسور کے قریب ڈنڈیگل کے گورنر بنے جس کے بعد اپنے خلاف ہونے والی بغاوت کو ناکام کر کے انھوں نے ۱۷۶۱ء میں سلطنت میسور پر قبضہ کرلیا اور اس کا نام سلطنت خداداد رکھا۔

میسور وسری رنگا پٹن پر حیدر علی کے قبضہ کے وقت ان کے پاس صرف ۳۳ گاؤں تھے، لیکن ۱۷۸۲ء میں ان کی وفات کے وقت اس حکومت کا دائرہ اسّی ہزار مربع میل تک پہنچ گیا تھا، ان کی وفات کے بعد سے ۱۷۹۹ء تک سلطنت خداداد پر ان کے صاحبزادہ سلطان ٹیپو کا قبضہ رہا۔

اس دوران حیدر علی و ٹیپو سلطان کی انگریزوں کے ساتھ چار بڑی جنگیں ہوئیں، پہلی جنگ میں انگریزوں کا حیدرآباد کے نظام، ارکاٹ کے نواب محمد علی اور مرہٹوں نے ساتھ دیا، اس میں انگریزوں کو پسپا ہونا پڑا دوسری جنگ ۱۷۸۰ء میں ہوئی اور یہ سلسلہ ۱۷۸۴ء تک چلا، اس میں اگرچہ سلطنت خداداد کا پلڑا بھاری رہا لیکن اخیر میں دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہوئی، تیسری جنگ ۱۷۹۰ء سے ۱۷۹۲ء تک جاری رہی، اس میں بھی اخیر میں صلح ہوئی اور سلطنت خداداد کا نصف

حصہ مع تین کروڑ روپیہ انگریزوں کو ملا، چوتھی جنگ ۱۷۹۹ء میں ہوئی جس میں سلطان ٹیپو شہید کی شہادت کا عظیم سانحہ پیش آیا اور ہندوستان کی آزادی کا پرچم سرنگوں ہوگیا اور پہلی دفعہ ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے"

اس کے بعد رسمی طور پر سلطنت میسور کے تخت پر سابق راجہ کے پانچ سالہ بیٹے کرشنا راج سوم کو بٹھا دیا گیا اور عملاً انگریزوں ہی کا اس پر قبضہ ہوگیا۔

مدراس کی خودمختار مسلم سلطنت

جنوبی ہند کے مشرقی ساحلی علاقہ کو عرب معبر کہتے تھے، اس علاقہ میں محمد تغلق کے زمانہ میں پنجاب کے سید خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک فوجی افسر سید حسن کو گورنر مقرر کیا گیا تھا جس نے ۱۳۳۴ء میں تغلق خاندان سے بغاوت کرتے ہوئے یہاں اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا اور اپنا نام جلال الدین حسن شاہ رکھا، پانچ سال کے بعد اس کو قتل کردیا گیا جس کے بعد اس کے ایک وزیر علاءالدین ادوجی نے سلطنت پر قبضہ کرلیا۔

۷۸۰ھ مطابق ۱۳۷۸ء میں اس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا، اس سلطنت کا پایہ تخت موجود صوبہ تامل ناڈو میں مدورائے تھا۔

سلطنت گجرات

محمد شاہ تغلق کی دہلی پر حکمرانی کے زمانہ میں ظفر خان گجراتی کو گجرات کا حاکم بنایا گیا تھا جس نے ۱۴۰۷ء میں سلطنت دہلی کے خلاف بغاوت کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور اپنا نام مظفر شاہ رکھا، ۱۴۱۰ء میں اس کے انتقال کے بعد اس کا پوتا احمد شاہ اس کا جانشین ہوا، اسی نے گجرات میں دریائے سابرمتی کے کنارے احمد آباد کا شہر اپنے نام سے بسایا، وہ بڑا دیندار تھا، اس نے ۳۳ سال مسلسل حکومت کی، اس کے پاس بحری بیڑہ بھی تھا، اس کے بعد اس کے لڑکے محمد شاہ نے حکومت سنبھالی، اس کے بعد اس کے بڑے لڑکے قطب الدین نے اقتدار سنبھالا، ۱۴۵۸ء میں اس کے انتقال کے بعد اس کے بھائی فتح خان محمود شاہ نے مسلسل پچاس سال حکومت کی، اسی کا بیٹا مظفر حلیم گجراتی تھا جو ان تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ دیندار اور حافظ قرآن بھی تھا، ۱۵۷۲ء میں مغل بادشاہ اکبر نے گجرات پر قبضہ کر کے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کیا اور گجرات کی اس ۱۶۵ سالہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا، ان بادشاہوں نے احمد آباد کے علاوہ دوسرے متعدد نئے شہر بھی بسائے جس میں احمد نگر، محمود آباد، مظفر آباد اور سلطان پور وغیرہ شامل ہیں، ان کے عہد میں تجارت اور زراعت کو بڑی ترقی ملی، یہاں کی بندرگاہوں سے عراق، ایران، یمن، مصر اور افریقہ کے ممالک کو ہندوستانی سامان تجارت برآمد کیا جاتا تھا۔

سلطنت کشمیر

۱۳۴۶ء تا ۱۵۸۴ء کشمیر میں مختلف بادشاہوں کی خود مختار حکومتیں رہیں کشمیر کی سلطنت کا بانی شاہ میر تھا جس نے کشمیر کے راجہ اودن کے انتقال کے بعد شمس الدین کے لقب سے حکومت پر قبضہ کرلیا جس کے بعد اس کے لڑکے جمشید نے پھر اس کے بھائی سلطان علاء الدین نے اقتدار سنبھالا، اس کے بعد اس کے لڑکے شہاب الدین کے پاس حکومت رہی، ۱۳۸۲ء میں اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی قطب الدین اس کا جانشین ہوا، اسی کے زمانے میں مشہور بزرگ اور صوفی وعالم حضرت میر سید علی ہمدانی" کشمیر تشریف لائے جن کے ہاتھوں پر ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد مختلف بادشاہون کی یہاں خود مختار حکومت رہی یہاں تک کہ ۱۵۸۴ء میں مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے کشمیر کو مغلیہ سلطنت میں شامل کرلیا۔

مالوہ کی سلطنت

مالوہ موجود صوبہ مدھیہ پردیش میں ایک تاریخی خطہ ہے جہاں مسلمانوں کی تقریباً پونے دوسو سال تک خود مختار مسلم حکومت رہی، اس کا پایہ تخت مانڈو تھا اس کا پہلا بادشاہ دلاور خان گوری تھا جو محمد شاہ تغلق کے زمانے میں ۱۳۸۸ء میں یہاں کا گورنر تھا، اس کا لڑکا ہوشنگ اس کا جانشین ہوا، اس کے بعد مختلف لوگ

حکمراں رہے، ۱۵۴۲ء میں شیر شاہ سوری نے اس پر قبضہ کرلیا، ۱۵۶۲ء میں مغل بادشاہ اکبر نے اس کو مغلیہ سلطنت میں شامل کرلیا، مالوہ کی سلطنت میں خوبصورت محلات، عالیشان مساجد اور مضبوط قلعے تعمیر ہوئے، اس میں ایک ایسی مسجد بھی تھی جس کی تین سو ساٹھ محرابیں اور دو سو تیں مینار تھے، اس کے نشانات آج بھی وہاں موجود ہیں۔

ارکاٹ کی سلطنت

جنوبی ہند میں سلطنت میسور کے قریب اپنے مقبوضہ علاقہ کا نام مغل حکمرانوں نے کرناٹک رکھا تھا جس کو ارکاٹ بھی کہا جاتا تھا، یہاں کے باشندے تامل زبان بولتے تھے، اسی سے متصل ایک دوسرے صوبہ کا نام سرا تھا (ارکاٹ اب موجودہ صوبہ تامل ناڈو میں چنائی (مدراس) کے قریب صرف ایک شہر کا نام رہ گیا ہے) ۱۷۴۳ء میں انوارالدین نام کے ایک شخص نے ارکاٹ کی حکومت وہاں کے حکمراں خاندان سے چھین لی، ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ کے نواب انوار الدین کے بیٹے محمد علی اور پرانے حکمراں خاندان کے ایک شخص چنداں صاحب کے درمیان ارکاٹ کے اقتدار کے لیے جنگ ہوئی، نواب محمد علی کا انگریزوں نے ساتھ دیا اور چنداں صاحب کا فرانسیسیوں نے، اس میں انگریزوں کو فتح ہوئی، چنداں صاحب مارا گیا جس کے بعد انگریزوں نے نواب محمد علی کو کٹھ پتلی بنا کر بحال رکھا اور خود ارکاٹ پر حکومت کرنے لگے، اس کے عوض انھوں نے دہلی

سے محمد علی کو ارکاٹ کی نوابی کا فرمان دلایا، ۱۷۹۵ء میں نواب محمد علی کا انتقال ہو گیا اور برائے نام حکومت اس کے خاندان میں رہی، یہیں سے ہندوستان میں فرانسیسیوں کا زوال شروع ہوا۔

ہندوستان پر مسلمانوں کی حکمرانی کی خصوصیات

مجموعی طور پر مسلمانوں نے ۱۲۰۶ء سے ۱۸۵۷ء تک تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی، ملک میں اپنی حکمرانی کے دوران مسلمانوں نے بالخصوص ان کے حکمرانوں نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ غیر معمولی رواداری کا مظاہرہ کیا، کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا، ہر ایک کو مذہبی آزادی دی، یہاں کے باشندوں کو تہذیب وثقافت سے آشنا کیا، عدل وانصاف اور حکومت کرنے کا طریقہ سکھایا، تاج محل، قطب مینار، لال قلعہ اور گول گنبد کی شکل میں فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ دیا، غرض یہ کہ ثقافت وسیاست، صنعت وحرفت اور تجارت وزراعت میں پوری دنیا میں ہندوستان کا سر بلند کیا، لیکن افسوس کہ آزادی کے بعد ملک کی جو تاریخ مرتب کی گئی اور جس کو سرکاری نصاب میں شامل بھی کیا گیا اس میں سراسر جانبداری سے کام لیا گیا، ان کتابوں کے مطالعہ سے ایک عام اور غیر جانبدار طالب علم اور قاری کو یہ تاثر ملا کہ ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے مسلمانوں کا سلوک ہم وطن رعایا کے ساتھ غیر انسانی تھا، حالانکہ غیر جانبدار غیر مسلم مؤرخین نے جو صحیح تاریخ بعد میں مرتب کی انھوں نے اس میں ان حکمرانوں کی اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مذہبی رواداری اور عدل وانصاف کی ایسی مثالیں ذکر کی ہیں جوان متعصب مؤرخین کے اس الزام سے میل نہیں کھاتیں۔

ہندوستان کے باشندوں پر یہاں کے مسلمانوں کا سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ انھوں نے ان کو توحید جیسی عظیم نعمت سے آگاہ کیا، خداشناسی سے سرفراز کیا اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد کو اسلام اور ایمان کی دولت سے بہرور کیا۔

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت میں ان مسلم حکمرانوں سے زیادہ ان مختلف بزرگان دین اور اہل اللہ وعلماء حق کا حصہ تھا جن کی کوششوں سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اسلام پھیلا، ان ہی علماء ربانیین کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر لاکھوں افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ان میں سرفہرست حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرت مخدوم علی مہائمیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت قطب الدین بختیار کعکیؒ حضرت شرف الدین یحیی منیریؒ، حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتیؒ، حضرت بابا گنج شکرؒ حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی حضرت سید علی ہمدانیؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ وغیرہم ہیں جن کی مختصر تفصیلات اگلے صفحات میں آرہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو پوری ملت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

دسواں باب

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد

زمانۂ دراز سے ہندوستان کے یورپ سے تجارتی تعلقات تھے، یہاں سے سوتی وریشمی کپڑے اور مصالحے وغیرہ ترکی کے بڑی راستہ سے یورپ جاتے تھے، بعد میں جب یہ سلسلہ بند ہوا تو بحری راستہ سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا ۱۴۹۸ء میں پرتگیزی جہاز راں واسکوڈی گاما افریقہ ہوتے ہوئے اسد البحر نامی ایک مسلمان کی معیت میں ہندوستان میں کالی کٹ (کیرلا) کے ساحل پر پہنچا جس کے بعد پرتگیزی تاجروں کو کیرلا کے مقامی باشندوں پر تجارت میں غلبہ حاصل ہوا اور انہوں نے ۱۵۰۷ء میں کالی کٹ اور گوا میں اپنے تجارتی قلعے تعمیر کئے، کچھ مدت بعد ہالینڈ کے تاجر بھی تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے، اس کے علاوہ جرمنی، سوئیڈن، فرانس، برطانیہ اور ڈنمارک وغیرہ سے بھی بڑی تعداد میں یوروپی تاجروں کی ہندوستان آمد شروع ہوئی اور انھوں نے ہندوستان کے ساحلی شہروں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔

سولہویں صدی عیسوی میں مغلیہ حکومت کے دوران برطانیہ سے انگریز تاجر بن کر ہندوستان آئے، برطانوی بادشاہ جیمس اول کے زمانہ میں پہلی دفعہ ۱۶۱۵ء میں کپتان ولیم ہاکنس قیمتی تحائف کے ساتھ شاہ انگلستان کا پہلا سفارتی

خط لے کر مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں آیا اور یہیں سے باضابطہ ہندوستان کی حکومت کا برطانوی حکومت سے سفارتی تعلق قائم ہوگیا، مغل بادشاہ جہانگیر کی اجازت سے انھوں نے سب سے پہلے سورت، احمد آباد اور آگرہ وغیرہ میں اپنے تجارتی مراکز قائم کیے، اس کے بعد مدراس، کلکتہ اور ممبئی وغیرہ میں بھی ۱۵۱۰ء میں پرتگالیوں نے گوا پر اور ۱۶۶۴ء میں فرانسیسیوں نے پانڈیچری پر قبضہ کرلیا، ۱۷۰۸ء تک انگریزوں کی ہندوستان میں تین بڑی کمپنیاں قائم ہوچکی تھیں، بعد میں ان تین کمپنیوں کی آپسی ناچاقی کو دیکھتے ہوئے ملکۂ برطانیہ کے حکم سے ایک متحدہ تجارتی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے وجود میں آئی ۱۶۴۰ء میں دکن کے راجہ نے انگریزوں کو موجودہ چنائی (مدراس) کا علاقہ دیا برطانیہ کے بادشاہ چارلس دوم کی ملکہ کو پرتگال کے بادشاہ نے جو ان کے والد تھے موجودہ بمبئی کا جزیرہ بطور جہیز دیا تھا جس کو بعد میں ملکہ نے ہندوستان میں موجود برطانوی کمپنی کو دے دیا جس کے بعد انگریزوں نے اپنا تجارتی مرکز سورت سے ممبئی منتقل کردیا، ۱۶۶۱ء میں جب مغل بادشاہ اورنگ زیب نے انگریزوں کے عزائم کو بھانپ لیا تو ان کو ہندوستان سے باہر کردیا لیکن بعد میں ان کو پھر ہندوستان واپس آنے کی اجازت ملی جس کے بعد انھوں نے کلکتہ شہر کو خرید لیا اور وہاں اپنا فوجی قلعہ تعمیر کیا، اس کے علاوہ مدراس میں بھی انھوں نے اپنا تجارتی مرکز قائم کرلیا، اورنگ زیب کو اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ انگریز تجارت کے نام سے ہندوستان میں اپنے فوجی قلعے تعمیر کررہے ہیں، اسی لیے اس نے اپنے مختلف

گورنروں کے نام یہ حکم جاری کردیا تھا کہ وہ ملک میں ان کی تجارت پر پابندی لگائیں، چنانچہ جب شاہ انگلستان جیمس دوم کواورنگ زیب کے اس سلوک کا علم ہوا تو اس نے کلکتہ کے قریب مشرقی بنگال کے بندرگاہی شہر چاٹگام پر حملہ کے لیے اپنی بحری فوج روانہ کی لیکن اس میں ان کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا جس کے بعد انھوں نے گجرات کے شہر سورت سے حج کے لیے جانے والے بحری جہازوں کو لوٹنا شروع کیا، لیکن جلد ہی برطانوی تجارتی کمپنی کا دیوالیہ نکل گیا جس کے بعد ان کی طرف سے منت سماجت کے بعد ان کو ۱۶۹۰ء میں دوبارہ تجارت کی اجازت دی گئی۔

ہندوستان انگریزوں کے قبضہ میں

انگریز اب آہستہ آہستہ ملک کے انتظامی امور میں دخل دینے لگے اور ان کا اثر اتنا بڑھا کہ بادشاہ وقت کے لیے کسی معاملہ میں ان کو نظر انداز کرنا ممکن نہ رہا، ہندوستانی حکمرانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے آہستہ آہستہ جنوب میں کرناٹک اور مشرق میں کلکتہ پر قبضہ کرلیا، نواب ارکاٹ کی مدد کے بہانے مدراس پر ان کا قبضہ پہلے سے ہی ہو چکا تھا، بنگال میں مرشد آباد کے حاکم نواب سراج الدولہ نے ۱۷۵۷ء میں ان کو شکست دینے کی کوشش کی لیکن اپنے وزیر میر جعفر کی غداری کی وجہ سے پلاسی کے مقام پر وہ شکست کھا گئے یہ پلاسی کی جنگ کہلائی، اس جنگ میں انگریزوں کی فوج صرف تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جب کہ سراج الدولہ کے پاس ستر ہزار کی فوج تھی، سراج الدولہ کو جنگ کے بعد انگریزوں نے گرفتار کر کے قتل کر دیا، ان کی شکست کی بنیادی وجہ فوج میں شامل منافقوں اور غدّاروں کی موجودگی تھی جن کا عبرتناک انجام چند ہی دنوں میں دنیا نے بھی دیکھ لیا میر جعفر جذام کے مرض میں تڑپ تڑپ کر مرا، سیٹھ اُمی چند پاگل ہو گیا اور راجہ درلب غرق ہو کر مرا، اس کے بعد انھوں نے بنگال میں چوبیس پرگنہ پر قبضہ کرلیا جو ہندوستان میں انگریزوں کا پہلا باضابطہ قبضہ تھا۔

۱۷۶۴ء میں مرشد آباد ہی کے حاکم میر جعفر کے داماد میر قاسم، دہلی کے بادشاہ شاہ عالم اور اودھ کے حاکم نواب شجاع الدولہ نے اپنی مشترکہ فوج کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ

کرنے کی کوشش کی، لیکن بکسر کے میدان میں ۱۷۶۴ء میں ان کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس جنگ میں مسلمانوں کے پاس پچاس ہزار کی فوج تھی جبکہ انگریزوں کے پاس صرف سات ہزار کی، شکست کے بعد شاہ عالم نے انگریزوں سے مصالحت کر لی اور ان کا وظیفہ خوار بن کر بہار، بنگال اور اڑیسہ کا پورا خطہ ان کے حوالہ کر دیا، شجاع الدولہ نے بھی انگریزوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے، ۱۷۷۲ء میں ہندوستان میں پہلے انگریز گورنر جنرل ہسٹنگز کا تقرر عمل میں آیا، تیسری دفعہ ریاست میسور کے حاکم حیدر علی کے قابل فرزند اور جانشین سلطان ٹیپو شہیدؒ نے پوری قوت سے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی خود اپنوں کی سازش سے جس میں سر فہرست میر صادق تھا اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کے اشتراک کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی ۱۷۹۹ء میں جام شہادت نوش کر کے ملک سے مسلمانوں کی وفاداری کی ایک عظیم تاریخ اپنے پیچھے چھوڑ گئے، سلطان ٹیپوؒ کی شہادت کے بعد انگریزوں کی ہمت اور بڑھی اور انھوں نے بنگال و کرناٹک کے بعد پنجاب، سندھ، اودھ اور برما وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

کرناٹک کی جنگیں

۱۷۴۰ء تا ۱۷۶۳ء کے درمیان انگریزوں اور فرانسیسیوں میں کرناٹک کے مختلف علاقوں پر قبضہ کے لیے جو جنگیں ہوئیں وہ کرناٹک کی جنگیں کہلائیں، کرناٹک اب ایک مستقل صوبہ کا نام ہے، جو ہندوستان کے جنوب مغرب میں واقع ہے اس میں سابقہ سلطنت حیدرآباد و ممبئی کے کئی اضلاع بھی شامل ہیں، اس کو پہلے ریاست میسور کہا جاتا تھا۔

پہلی باضابطہ جنگ آزادی

یوں تو جب سے انگریزوں کا ہمارے ملک پر قبضہ کا آغاز ہوا اسی وقت سے یہاں کے باشندوں نے ان کو ملک سے باہر کرنے کے لیے اپنی کوششیں شروع کردیں تھیں، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ۱۸۵۷ء سے جنگِ آزادی کا آغاز ہوا ۱۷۵۷ء میں بنگال کے آخری نواب سراج الدولہ اور ۱۷۹۹ء میں سلطنتِ خداداد میسور کے حاکم سلطان ٹیپو شہید انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو چکے تھے البتہ ۱۸۵۷ء میں تمام ہندوستانیوں نے بلا تفریق مذہب وملت مشترک طور پر انگریزوں سے ہندوستان کی آزادی کے لیے دوبارہ لڑنا شروع کیا، اس لیے یہ جنگ مطلق پہلی جنگ کے بجائے پہلی باضابطہ جنگ کہلائی جاسکتی ہے، انگریزوں کے خلاف ان کی یہ مشترکہ کوشش زبردست جنگ آزادی کی شکل اختیار کرگئی، میرٹھ کے مقام سے اس کا آغاز ہوا، انگریزی فوج میں شامل مسلم و ہندو سپاہیوں نے انگریز افسروں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، عوام بھی بڑی تعداد میں اس میں شریک ہوئے انگریزوں کو ملک سے بھگانے کے لیے شروع ہونے والی اس باضابطہ پہلی جنگ آزادی کو انگریزوں نے "غدر" کا نام دیا، اگرچہ اس پہلی جنگ آزادی میں ابتداء میں انگریزوں کو شکست ہوئی لیکن چونکہ ان کے پاس بہت زیادہ وسائل تھے اس لیے وہ بہت جلد سنبھل گئے، ملک کی آزادی کے لیے لڑنے والے جانباز انقلابیوں نے سب سے پہلے دہلی پر قبضہ کیا اور بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا

لیکن جلد ہی انگریزوں نے پھر دہلی، لکھنؤ، بنارس اور الہ آباد پر قبضہ کرلیا، جھانسی کی رانی لکشمی بائی اسی دوران انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ماری گئی، بہادر شاہ ظفر گرفتار ہوکر رنگون (برما) جلاوطن کردیے گئے۔

اس بغاوت کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستان پر انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا سلسلہ ختم ہوا اور براہ راست برطانیہ کی سرکار نے ملک پر حکومت کرنا شروع کیا، ملکۂ برطانیہ نے ۱۸۵۸ء میں ہندوستانیوں کے لیے ان کے دستوری حقوق دینے کا اعلان کیا لیکن وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرسکی، اس کے بعد گورنر جنرل کے بجائے ملکۂ برطانیہ یعنی ملکہ وکٹوریہ کے نمائندے کی حیثیت سے وائسرائے کو زمام حکومت سونپی گئی، یہ سلسلہ ہندوستان کی آزادی تک جاری رہا۔

انگریزوں کے خلاف اس جنگ میں کئی راجہ، مہاراجہ اور نواب پیش پیش تھے جس میں سرفہرست جھانسی کی رانی لکشمی بائی تھی جس نے انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے صرف بائیس سال کی عمر میں اپنی جان دی، کرناٹک میں قائم چھوٹی سی ریاست کتّور کی رانی چنّما قید کردی گئی، گوالیار کے تانتیا ٹوپی کو گرفتار کرکے پھانسی دی گئی اور دہلی کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو برما (رنگون) میں قید کیا گیا اور وہیں ان کی وفات ہوئی، اس کے علاوہ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، کانپور کے نانا صاحب، لکھنؤ کی بیگم حضرت محل اور بہار کے کنور سنگھ وغیرہ بھی انگریزوں کے خلاف آزادی کی اس جنگ میں پیش پیش تھے جس کی تفصیلات اگلے صفحات میں آرہی ہیں۔

ملک کی آزادی میں مسلمانوں کا حصّہ

ہمارے ملک کی آزادی میں ہندوستان کی تمام اقوام میں مجموعی طور پر سب سے زیادہ حصہ مسلمانوں ہی کا رہا جس کے لئے علماء کی قیادت میں مسلم عوام نے جذبہ حریت سے سرشار ہو کر سرفروشی وحبّ الوطنی کے وہ نمونے پیش کیے جس کی مثال ہندوستان کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی، برطانوی فیلڈ مارشل رابرٹ نے اپنی کتاب "ہندوستان میں ۴۱ سال" میں لکھا ہے کہ صرف ۱۸۵۷ء میں ستائیس ہزار مسلمانوں کو پھانسی دی گئی، قتلِ عام میں جو مارے گئے ان کا تو شمار ہی نہیں، غیر ملکی سامراج کے خلاف ملک کی اس آزادی کے لئے سلطان ٹیپو نے جامِ شہادت نوش کیا، مرشد آباد کے حاکم نواب سراج الدولہ کو قتل کیا گیا، مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو پہلے تو دہلی میں ہمایوں کے مقبرہ میں قید کیا گیا اور اس کے شہزادوں کا سر قلم کر کے طشت میں سجا کر اس کے سامنے پیش کیا گیا پھر اس کو پابہ زنجیر کر کے رنگون جلا وطن کیا گیا، احمد اللہ شاہ کو شہید کیا گیا، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو یورپ لے جا کر بحیرۂ روم کے جزیرہ مالٹا میں قید کیا گیا، ہزاروں علماء کو پھانسی دی گئی اور لاکھوں مسلمانوں کو جیلوں میں قید کر کے ناقابلِ یقین سزائیں دی گئیں اس سلسلہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے وابستہ مجاہدین بالخصوص علماءِ صادقپور ورد ہیلکنڈ کی قربانیوں وسرفروشیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں جنگِ آزادی کا آغاز ہوا حالانکہ مسلمان اس سے بہت پہلے برطانوی سامراج کے خلاف میدان میں آچکے تھے اور اس سے بہت پہلے تحریکِ آزادی اس وقت شروع ہو چکی تھی جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے انگریزوں کے خلاف ملک کی آزادی کے لیے راہ ہموار کی، اس کے بعد ۱۸۰۳ء میں ان کے صاحبزادہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے اس کو دارالحرب قرار دیا، ۱۷۵۷ء میں نواب سراج الدولہ نے ان کے خلاف پلاسی کے مقام پر اور نواب حیدر علی نے ۱۷۶۷ء میں میسور میں ان کا مقابلہ کیا اور انگریزوں کو ملک سے باہر کرنے کی یہ تحریک پورے ملک میں چل پڑی اور ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے ساتھ ہی اس کا اختتام ہوا۔

مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کی بدسلوکی

انگریز چونکہ عالمی سطح پر اسلام ہی کو عیسائیت کا حریف اور مد مقابل سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے خاص کر اس ملک پر اپنے مکمل قبضہ کے بعد مسلمانوں کا ملک میں جینا دوبھر کر دیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فطری طور پر مسلمان اور ان کے علماء ہی اس جنگ آزادی میں پیش پیش رہے اور انھی کو اس جنگ آزادی کا ذمہ دار سمجھا گیا اور انگریزوں کی زیادہ تر انتقامی کارروائیوں کا انھی کو سامنا کرنا پڑا، اسی لیے انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ کو جنگِ آزادی کے بجائے اسلامی بغاوت کا نام دیا۔

اسی کے ساتھ پورے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے مشنری جال بچھایا گیا اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کی گئیں، جب مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے انگریز فوج نے سور کی چربی سے بنے کارتوس استعمال کرنے شروع کیے تو پورے ملک میں مسلمانوں کے اشتعال کی وجہ سے بغاوت کی تحریک مزید منظم ہوگئی ۔

انگریزوں نے اہل ہند کی آزادی کے لیے کی جانے والی ان مشترکہ کوششوں کو طاقت کے بل بوتے پر کچلنا چاہا لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے بالآخر انھوں نے لاکھوں لوگوں کو فرضی مقدمات میں پھانس کر قتل کیا، اس سے

زیادہ لوگوں کو اذیت ناک سزائیں دیں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلم علماء پھانسی پر چڑھادیے گئے ، ملک کے نظام تعلیم ، معیشت، عدلیہ اور انتظامیہ وغیرہ میں اس طرح تبدیلی لائی گئی کہ اس میں خاص کر مسلمان فاضل عنصر بن کر رہ جائیں مسلمانوں کی ملکیتیں و جائدادیں ضبط کی گئیں، سرکاری ملازمتوں سے مسلمانوں کو چن چن کر نکالا گیا اور ان کو تعلیمی اقتصادی، سیاسی و سماجی غرض یہ کہ ہر میدان میں پستی کی آخری حد تک پہنچانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کیں گئیں۔

جنگِ عظیم دوم میں ہندوستان کی شرکت

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک عالمی سطح پر یورپ میں ایک بھیانک جنگ ہوئی جو جنگِ عظیم اول کہلائی، اس میں دنیا کے متعدد ممالک شامل تھے، ایک طرف جرمنی، آسٹریا اور ترکی اور دوسری طرف برطانیہ، فرانس، اٹلی، روس اور امریکہ تھے اس میں جرمنی اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی اور ترکی سے خلافتِ اسلامیہ (خلافتِ عثمانیہ) کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۳۹ء میں عالمی سطح پر دوبارہ جنگ شروع ہوئی جو جنگِ عظیم دوم کہلائی اس مرتبہ جرمنی کا ساتھ جاپان اور اٹلی نے دیا اور انگریزوں کے ساتھ بدستور روس، فرانس اور امریکہ رہے۔

انگریزوں نے ہندوستان کو بھی اس عالمی جنگ میں شریک کرلیا جس سے ہندوستان کے عوام ناراض ہوگئے اور اس کے خلاف سول نافرمانی کی عوامی تحریک شروع ہوئی، جاپان نے برما کی فتح کے بعد ہندوستان کی طرف قدم بڑھائے اور آسام و برما کی سرحدوں پر بم برسائے، ۱۹۴۵ء میں جرمنی کو شکست ہوئی، لیکن انگریز اپنی فتح کے باوجود تھک گئے تھے اور ہندوستانیوں کی اپنے ملک کی آزادی کے لیے قربانیوں اور روز روز کے ہنگاموں سے تنگ آچکے تھے چنانچہ ملک کے مختلف جیلوں میں قید قومی لیڈروں کو رہا کیا گیا اور ملک کے سیاسی لیڈروں کے ساتھ مصالحت کی باتیں ہونے لگیں۔

صبحِ آزادی

بڑی محنتوں، قربانیوں اور کوششوں کے بعد بالآخر ہمارا یہ ملک ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں کے قبضہ سے آزاد ہوا، بھارت کی اس جنگ آزادی میں مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، سردار ولبھ بھائی پٹیل، سروجنی نائیڈو راج گوپال اچاریہ، بھگت سنگھ، مولانا حسرت موہانی، سبھاش چندر بوس، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار انصاری، رفیع احمد قدوائی، مولانا حسین احمد مدنی، سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان وغیرہم سرفہرست تھے۔

انگریزوں نے جاتے جاتے بھی ایک سازش کی اور مشرقی بنگال، سندھ بلوچستان، سرحد اور مغربی پنجاب پر مشتمل مسلم اکثریتی ریاستوں کو پاکستان کے نام سے متحدہ ہندوستان سے علیٰحدہ کر کے الگ ملک بنادیا لیکن پاکستان سے بھی مشرقی بنگال کا مسلم اکثریتی علاقہ جو بنگالی مسلمانوں پر مشتمل تھا ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کے نام سے علیٰحدہ ہو گیا اور الگ ملک کہلایا۔

۱۹۴۷ء میں ملک کی اس تقسیم کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنے محبوب مادر وطن ہندوستان ہی میں اپنی سکونت کو ترجیح دی، ملک کی اس تقسیم کے موقع پر ہندوستان کی تاریخ میں وہ ہولناک فسادات رونما ہوئے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، دونوں طرف سے لاکھوں لوگ

مارے گئے، اس سے زیادہ معذور وزخمی ہوئے اور بے شمار لوگ اپنے محبوب اور عزیز وطن سے ہجرت پر مجبور ہو گئے۔

ملک کی اس تقسیم کا سب سے زیادہ اثر ہندوستان میں باقی رہنے والے مسلمانوں پر پڑا اور ایک خاص ذہن وفکر رکھنے والوں کے نزدیک ہندوستان سے اب ان کی وفاداری مشکوک ہوگئی اور وہ خود اپنے وطن عزیز میں اپنے ہم وطنوں کے سامنے بیگانہ ہوکر رہ گئے، لیکن ان مسلمانوں نے آزادی کے بعد بھی حسب سابق ملک سے اپنی وفاداری کا ہمیشہ ثبوت پیش کیا، ملک کے دفاع وتحفظ اور اس کی ترقی کے لیے وہ قربانیاں پیش کیں جس کو ہندوستان کی تاریخ کا زرّیں باب کہا جاسکتا ہے اور وہ اپنے ہم وطنوں سے محمد حسین فطرت بھٹکلی کے الفاظ میں ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ ؎

وطن کی سرزمیں سے دم وفاداری کا بھرنا ہے — یہیں پیدا ہوئے ہیں ہم یہیں پہ ہم کو مرنا ہے

انگریزوں کی حکمرانی کے منفی پہلو

انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں جتنا ہوسکا ہمارے ملک کی دولت کو لوٹ کر برطانیہ پہنچایا اور اس کو جو بقول خود ان کے سونے کی چڑیا تھا پسماندہ بنادیا ، برطانیہ کی صنعتی چیزوں کا ہمارے ملک کو شوروم بنادیا ، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی برآمدات میں کمی آئی اور برطانیہ کی برآمدات میں اضافہ ہوا۔

اسی طرح اپنے عہدِ حکمرانی کے دوران انھوں نے ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو سینکڑوں سالوں سے بھائی بھائی کی طرح زندگی گزار رہے تھے منافرت کے بیج بودیے، ملک کا پورا نظامِ تعلیم بدل کر رکھ دیا، معیشت اور انتظامیہ وغیرہ کا ڈھانچہ اس طرح تبدیل کیا کہ اس میں خاص کر مسلمان فاضل عنصر بن کر رہ جائیں ، اپنی تہذیب وثقافت اور قدیم کلچر سے متعلق یہاں کے باشندوں کے دلوں میں نفرت ووحشت کے بیج بودیے، مذہبی اقدار سے عوام کو دور کیا اور مغربی تہذیب کا یہاں کے باشندوں کو اس طرح دلدادہ بنایا کہ وہ خود اپنی ثقافت وکلچر سے دور ہوگئے۔

غرض یہ کہ انگریزوں نے ملک کی تہذیبی وتمدنی، سماجی واقتصادی زندگی میں اپنی بے حیا مغربی تہذیب کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے جس کو ہم لوگ اب تک بداخلاقی اور بے حیائی وغیرہ کی شکل میں ہر جگہ دیکھ رہے ہیں۔

آزادی سے قبل کی اہم ہندو مذہبی تنظیمیں

برہمہ سماج:۔ ۲۰/ اگست ۱۸۲۸ء میں شروع ہونے والی اس مذہبی ہندو تحریک کے بانی بنگال کے برہمن خاندان سے تعلق رکھنے والے راجہ رام موہن رائے تھے جو ایک عظیم مفکر تھے، انھوں نے بت پرستی کی مخالفت کی، وہ ہندو مذہب میں اصلاح کے داعی تھے اس لیے ستی کی رسم، ذات پات اور بچپن میں شادی وغیرہ کی مخالفت کی اور لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دلانے کی تحریک چلائی۔

پراتھنا سماج:۔ بنگال کے یم جی راناڈے نے ممبئی میں ۳۱/ مارچ ۱۸۸۷ء میں اس تحریک کی بنیاد رکھی، انہوں نے مذہبی بھید بھاؤ کی مخالفت کی اور چھوت چھات کے خلاف تحریک چلائی اور بیواؤں کی شادی اور عورتوں کی تعلیم کے حق میں آواز اٹھائی۔

آریہ سماج:۔ اس کے بانی سوامی دیانند سرسوتی ۱۲/ فروری ۱۸۲۴ء میں گجرات کاٹھیاواڑ کے ٹنکارا گاؤں کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے انھوں نے ہندوؤں کی اصلاح کے لیے ۱۸۷۵ء میں ممبئی میں آریہ سماج

کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی جس کا مقصد بچپن کی شادی، چھوت چھات اور نشہ آور چیزوں کی مخالفت تھی، ان کی تحریک نے ہندو مذہب تبدیل کرنے والوں کو واپس ہندومت میں لانے کا بھی کام کیا جس کو شدھی تحریک کہتے ہیں۔

رام کرشن مشن:۔ اس تحریک کے داعی سری رام کرشن پرم ہنس کلکتہ کے ڈکنیشور نامی کالی مندر کے پجاری تھے، وہ بنگال کے ہگلی ضلع کے کاما یکرو گاؤں میں ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے، وہ ایک سماجی مصلح تھے، سوامی وویکانندان کے شاگرد تھے، ۱۲/ جنوری ۱۸۶۳ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے، رام کرشن مشن کے نام سے سماجی ادارہ کی بنیاد انھوں نے ہی ۱۸۹۷ء میں رکھی اور ہندومت میں ایک نئی روح پھونکی، انھوں نے ۱۸۹۳ء میں امریکہ کے شکاگو شہر میں ایک بین الاقوامی مذہبی کانفرنس میں ہندومت کی نمائندگی کی جس کی وجہ سے امریکہ میں ان کے معتقدین کا وسیع حلقہ پیدا ہو گیا، وہ ذات پات کے مخالف تھے۔

شدھی تحریک:۔ اپنا مذہب تبدیل کرنے والے ہندوؤں کو واپس ہندومت میں لانے کے لیے دیانند سرسوتی نے جو تحریک شروع کی تھی وہ شدھی تحریک کہلائی۔

گیارہواں باب

جنگ آزادی کی نمایاں تحریکات اور اہم واقعات

۱۔ہوم رول تحریک (سوراجیہ یا داخلی خودمختاری):۔ کانگریس کی طرف سے مجاہد آزادی پنڈت موتی لال نہرو کی سربراہی میں ۱۹۱۶ء میں انگریزوں سے داخلی خودمختاری کا مطالبہ کرنے کے لیے ہوم رول لیگ کے نام سے ایک تحریک شروع کی گئی جس کے تحت پورے ملک میں احتجاجات ہوئے، اسی کو سوراجیہ یا داخلی خودمختاری کی تحریک کہا جاتا ہے۔

۲۔ستیہ گرہ:۔ ستیہ گرہ یعنی ناانصافی کے خلاف لڑنے کے لیے عدم تشدد کا پرامن ہتھیار اور راستہ، یہ تحریک مہاتما گاندھی نے شروع کی تھی جن کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا، انھوں نے قانون کی تعلیم برطانیہ میں حاصل کی جہاں سے وہ جنوبی افریقہ گئے تاکہ وہاں سے نسلی امتیاز اور ظلم کے خلاف آواز اٹھا سکیں، پھر وہاں سے وہ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان آئے اور ملک کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے اور قومی لیڈر بن گئے۔

۳۔تحریک عدم تعاون:۔ گاندھی جی نے ۱۹۲۰ء میں انگریزوں سے کسی بھی معاملہ میں تعاون نہ کرنے کی تحریک چلائی جس کے تحت عدالتوں اور

دفتروں کا بائیکاٹ کیا گیا، سرکاری خطابات واپس کر دیے گئے، اس پر رابندر ناتھ ٹیگور اور گاندھی جی نے بھی خود عمل کیا، ہزاروں لوگوں نے سرکاری ملازمتیں ترک کر دیں، بعد میں ایک تشدد کے بعد گاندھی جی نے اس تحریک کو واپس لے لیا۔

۴۔تحریک ترک موالات (سودیشی تحریک):۔ اس تحریک کے مطابق ہندوستانیوں کو آواز دی گئی کہ ملک میں بنی کسی بھی چیز کے علاوہ دوسری چیزوں کا استعمال ہرگز نہ کریں اور غیر ملکی چیزوں کا بائیکاٹ کریں، یہ تحریک بڑی کامیاب رہی، عوام نے انگریزوں کی بنائی ہوئی چیزوں کا بائیکاٹ کیا اور غیر ملکی نمک وشکر وغیرہ کا استعمال ترک کر دیا۔

۵۔انڈین نیشنل کانگریس:۔ ملک کی آزادی کے لیے اس تنظیم کا قیام ۱۸۸۵ء میں عمل میں آیا، اس کے پہلے صدر ڈبلیو، سی، بنرجی تھے، اس تنظیم نے اپنے مطالبات اور احتجاجات وغیرہ کے ذریعہ برطانوی حکومت پر اس کی آزادی تک اپنا دباؤ برقرار رکھا، بالآخر آزادی کے بعد اس تنظیم کے سیاسی رہنماؤں کو ملک کی قیادت کا موقع بھی ملا، ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد اسی سیاسی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔

۶۔سول نافرمانی تحریک (نمک ستیہ گرہ):۔ ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے اس تحریک کا آغاز کیا اور خود گجرات کے شہر احمد آباد سے ڈانڈی تک پیدل چل کر اس کی ابتدا کی، اس تحریک کے مطابق ملک کے لوگوں کو انگریز حکمرانوں

کی حکم عدولی کرنی تھی، گاندھی نے نمک پر لگائے گئے ٹیکس کی مخالفت کرتے ہوئے خود نمک تیار کروا کر تقسیم کیا جس کی وجہ سے اس تحریک کا نام نمک ستیہ گرہ پڑا، یہ تحریک بڑی مقبول ہوئی۔

۷۔ گول میز کانفرنس:۔ ۱۹۲۸ء میں حکومت برطانیہ نے ملک میں موجود و جاری آئین کی اصلاح کے لیے سائمن کمیشن کا تقرر کیا جس میں کوئی ہندوستانی شامل نہیں تھا، اس کی مخالفت کرتے ہوئے کمیشن کے سربراہ کی ملک آمد پر اس کے خلاف عوامی مظاہرہ کیا گیا جس کے بعد لندن میں ایک گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء میں بلائی گئی جس میں کوئی اہم بات طے نہ ہوسکی، اس کے بعد اگلے سال پھر یہ کانفرنس ہوئی جس میں مولانا محمد علی جوہر اور گاندھی جی وغیرہ نے شرکت کی اور ایک معاہدہ کے تحت قیدیوں کی رہائی کے بدلے سول نافرمانی کی تحریک ترک کردی گئی۔

۸۔ جلیان والا باغ کا قتل عام:۔ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء میں انگریز حکومت نے ایک قانون نافذ کیا جس کو رولٹ ایکٹ کا نام دیا گیا، اس کے تحت پورے ملک میں حکومت کے خلاف مظاہروں پر پابندی لگادی گئی، اس رویہ کے خلاف ۱۹۱۹ء میں پنجاب کے شہر امرتسر کے جلیان والا باغ میں احتجاجی مظاہرہ ہوا، ان مظاہرین پر انگریز جنرل ڈائر کے حکم سے گولیاں چلائی گئیں جس میں ۴۰۰/ افراد ہلاک اور دو ہزار سے زائد زخمی ہوئے، یہ جنگ آزادی کی تحریکات میں ایک اہم واقعہ تھا، اس کو جلیان والا باغ واقعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۹۔ ہند چھوڑو تحریک:۔ ۱۹۴۲ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی طرف سے اس تحریک کا آغاز ہوا، اس کے تحت انگریزوں کو بھگانے کے لیے ہڑتالیں کی گئیں جس کے نتیجے میں ملک میں فسادات بھی ہوئے اور نہرو اور گاندھی جی وغیرہ کو گرفتار بھی کیا گیا۔

۱۰۔ آزاد ہند فوج:۔ ملک کی جنگ آزادی کے ایک اہم ہیرو سبھاش چندر بوس نے انگریزوں کو جاپان و جرمنی کی مدد سے باہر نکالنے کے لیے انڈین نیشنل آرمی یعنی آزاد ہند فوج کے نام سے ایک فوج کی بنیاد ڈالی اور ملک کی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے ایک ہنگامی حکومت قائم کی لیکن ۱۹۴۳ء میں انگریزوں نے رنگون پر اپنے قبضے کے بعد آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کو گرفتار کیا مقدمات چلائے اور ان کو پھانسی کی سزا سنائی لیکن عوامی ردعمل کے ڈر سے وہ اس پر عمل نہیں کر سکے، سبھاش چندر بوس کی ایک ہوائی حادثہ میں وفات ہوئی، ملک کو "**جے ہند**" کا مقبول نعرہ انھوں نے ہی دیا تھا۔

۱۱۔ انقلاب زندہ باد کا نعرہ:۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں "**انقلاب زندہ باد**" کے اردو نعرہ نے سب سے اہم رول ادا کیا، ملک کو یہ انقلابی نعرہ مولانا حسرت موہانی نے دیا تھا، یہ نعرہ اتنا مقبول ہوا کہ ہندوستان کی ہر زبان کا باشندہ اسی اردو زبان میں یہ نعرہ لگاتا تھا۔

۱۲۔ ریشمی رومال تحریک:۔ ملک کی آزادی میں ہمارے ملک کے علماء بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران اور فارغین کا اہم رول تھا، ان ہی علماءِ دیوبند کی طرف سے ملک کی آزادی کے لیے ۱۹۰۵ء میں ایک تحریک شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ صاحب نے شروع کی، اس میں انگریزوں کی نظروں سے بچنے کے لیے افغانستان، ترکی اور جرمنی وغیرہ کے حکمرانوں کو ریشمی رومال پر مضمون تحریر کر کے خطوط لکھے جاتے تھے اور ان سے ملک کی آزادی کے لیے اخلاقی وفوجی مدد طلب کی جاتی تھی، ۱۹۱۶ء میں اس کے لیے شیخ الہندؒ نے حجاز کا سفر کیا، انگریزوں نے بعد میں آپ کو گرفتار بھی کیا، مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اسی دوران افغانستان میں ہندوستان کی آزاد حکومت قائم کی، اس تحریک کے اہم ارکان میں مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا برکت اللہ بھوپالیؒ، راجہ مہندر پرتاب سنگھ اور ڈاکٹر مختار انصاری وغیرہ تھے، یہی تحریک بعد میں ریشمی رومال تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔

۱۳۔ جمعیۃ العلماء:۔ برصغیر میں انگریزوں کے خلاف جذبۂ حریت کو بیدار کرنے کے لیے علماء کی اس جماعت کا قیام ۱۹۱۹ء عمل میں آیا، اس کے پہلے صدر مفتی کفایت اللہؒ اور پہلے ناظم مولانا احمد سعید دہلویؒ تھے، اس تنظیم نے برطانوی سامراج کے خلاف ترک موالات اور عدم تعاون کی تحریک کی تائید

کی اور اس کے خلاف ۴۷۴ علماء کا فتوی جاری کیا، مسلمانوں میں ارتداد اور ہندوؤں کی شدھی سنگھٹن تحریک کے خلاف بھی اس تنظیم نے اہم رول ادا کیا ۱۹۲۶ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں اس نے آزادیِ ہند کی قرارداد منظور کی، ملک کی تقسیم پر مسلم لیگ سے اس کے اختلافات ہوئے اور آخر تک متحدہ ہندوستان کے اپنے موقف ہی پر اس کے ممبران قائم رہے، برصغیر کے مسلمانوں میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی صدارت میں اس تنظیم نے غیر معمولی شہرت وقبولیت حاصل کی۔

۱۴۔ مجلس احرار:۔ مسلمانوں میں جذبۂ حریت پیدا کرنے اور غیر مسلم برادران وطن کو بھی ملک کی آزادی کی تحریک میں شامل کرنے کے لیے اس جماعت کا قیام ۱۹۲۹ء میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تجویز پر عمل میں آیا، اس کے پہلے صدر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے، ۱۹۳۴ء میں اس کے پچیس ہزار کارکنان گرفتار کر کے جیل میں بند کردیے گئے، بعد میں اس کے تمام ممبران کانگریس کی سول نافرمانی تحریک سے متاثر ہو کر کانگریس میں شامل ہو گئے۔

۱۵۔ تحریک خلافت:۔ ۱۹۱۴ء میں عالمی سطح پر یورپ میں پہلی جنگِ عظیم ہوئی، اس میں ایک طرف جرمنی، آسٹریا اور ترکی وغیرہ تھے تو دوسری طرف برطانیہ، فرانس، اٹلی، روس اور امریکہ تھے، اس میں جرمنی اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی، اور خلافت اسلامیہ کا ترکی سے خاتمہ ہوا، ۱۹۱۸ء

میں جنگ عظیم اول کے اختتام پر ترکی میں خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کے بعد برطانیہ کے خلاف ممبئی میں مسلمانوں کو سیاسی طور پر بیدار کرنے کے لیے خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا ،کانگریس نے بھی اس کی حمایت کی اور سب نے مل کر برطانوی مال کا بائیکاٹ کیا ،جنوری ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہرؒ کی سربراہی میں حکومت برطانیہ سے ترکی میں خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کے سلسلہ میں گفتگو کے لیے ایک وفد جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا فضل حق'' وغیرہ شریک تھے برطانیہ روانہ ہوا برطانوی وزیر اعظم سے ان کی گفتگو نا کام ہوئی جس کے بعد یکم اگست ۱۹۲۰ء کو پورے برصغیر میں انگریزوں کے خلاف ہڑتال ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ ان کے لیے اب برطانوی حکومت کے تحت فوج کی ملازمت کرنا حرام ہے جس کے بعد مولانا محمد علی جوہرؒ کو دو سال قید کیا گیا اور دیگر ہزاروں مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔

۱۶۔ مسلم لیگ:۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشن کے نام سے ایک کانفرنس نواب وقار الملک کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی ،حکیم اجمل خان، مولانا ظفر علی خان اور مولانا حسرت موہانی وغیرہم شریک ہوئے، اس میں نواب سلیم اللہ خان نے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے

آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے ایک علیحدہ سیاسی تنظیم قائم کی جائے، اس جلسہ میں اس تجویز کی منظوری کے بعد دسمبر ۱۹۰۷ء کو کراچی میں باقاعدہ اس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، یوں تو اس تنظیم کا قیام جنگ آزادی میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے عمل میں آیا تھا لیکن ۱۹۳۴ء میں ملک کے نامور وکیل محمد علی جناح جب اس کے صدر منتخب ہوئے تو ان کی صدارت میں مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں ۱۹۴۰ء کو مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کی قرارداد منظور کی گئی جس کی پورے ملک میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے مخالفت کی، اس میں سرفہرست مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرھم تھے، ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو علیحدہ مملکت کے مطالبہ کے بجائے متحدہ ہندوستان ہی میں رہنا چاہئے لیکن جون ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت نے مسلم لیگ کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آیا جس کے بعد مسلم لیگ تقسیم ہوئی اور پاکستان میں مسلم لیگ کے نام سے علیحدہ جماعت قائم ہوئی اور ہندوستان میں مسلم لیگ دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح صرف ایک پارٹی کی حیثیت سے باقی رہ گئی۔

بارہواں باب

تاریخ ہند کی ممتاز مسلم مذہبی شخصیات
جن کے ذریعے ملک میں اسلام کی اشاعت ہوئی

حضرت داتا گنج بخش (علی ہجویری) :۔ آپ غزنہ (افغانستان) کے محلہ ہجویر میں ۱۰۰۹ء میں پیدا ہوئے، مختلف ممالک کے دعوتی اسفار کے بعد سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے زمانہ میں لاہور تشریف لائے، برّ صغیر میں اشاعتِ اسلام کا باضابطہ سلسلہ آپ ہی سے شروع ہوا، اللہ نے رشد و ہدایت کا بڑا کام آپ سے لیا، تصوّف کے موضوع پر کشف المحجوب کے نام سے آپ کی مشہور تصنیف موجود ہے جو فارسی میں ہے، ۱۰۷۲ء میں لاہور میں آپ کی وفات ہوئی، یہیں آپ کا مزار بھی ہے جس کو داتا کا دربار کہا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ :۔ اصلاح وتصوّف میں آپ سلسلہ چشتیہ کے بانی تھے، سیستان یعنی سجستان (مشرقی ایران) میں ۵۳۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، نیشاپور، بغداد، مکہ مکرمہ ، مدینہ منورہ ، ملتان، لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے آپ اجمیر (راجستھان) پہنچے، اس وقت وہاں ہندو راجہ پرتھوی راج کی حکومت تھی، وہاں آپ نے دعوت وارشاد کا کام کیا اور لاکھوں لوگ اسلام میں داخل ہوئے، حضرت قطب الدین بختیار کعکیؒ آپ کے مریدِ خاص تھے جن سے دہلی

وآس پاس کے علاقہ میں رشد وہدایت کا بڑا کام ہوا، آپ کے ملفوظات کا مجموعہ دلیل العارفین ہے جس سے آپ کے طرز دعوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت قطب الدین بختیار کعکیؒ:۔ آپ اصلاً ترکستان کے رہنے والے تھے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ تھے، آپ کے مشہور خلفاء میں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ وغیرہ ہیں، آپ کا زمانہ ہندوستان میں شمس الدین التمش کی حکمرانی کا تھا، دہلی وآس پاس کے علاقہ میں آپ سے اصلاح ورشد کا بڑے پیمانہ پر کام ہوا، ۱۲۳۶ء میں دہلی میں آپ کی وفات ہوئی آپ کا مزار پرانی دہلی میں قطب مینار کے پاس ہے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ:۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کعکیؒ کے خلیفہ تھے، ملتان (پاکستان) میں ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے، آپ کا عہد قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن کا تھا، مغربی پنجاب میں آپ سے اللہ تعالیٰ نے بڑا اصلاحی کام لیا، متعدد قبائل مثلاً راجپوت وغیرہ آپ ہی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے، پاکپٹن (اجودھن پاکستانی پنجاب) آپ کی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز تھا، یہیں آپ کی ۶۶۴ھ میں ۹۵ سال کی عمر میں وفات ہوئی، آپ کے مشہور خلفاء میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت صابر کلیریؒ جیسے بزرگانِ دین ہیں، آپ کے مطبوعہ ملفوظات کے نام راحت القلوب اور اسرار الاولیاء ہیں۔

شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانیؒ:۔ آپ شیخ شہاب الدین سہرورد یؒ کے خلیفہ تھے، ملتان، سندھ اور بلوچستان وغیرہ میں آپ سے بڑا دعوتی کام انجام پایا اور ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہوئے، ہندوستان میں تصوف کا سہروردی سلسلہ آپ ہی سے شروع ہوا، آپ نے تحصیلِ علم کے لئے بخارا، حرمین شریفین، بیت المقدس اور یمن کا سفر کیا، ۱۲۶۲ء میں ملتان (پاکستان) میں آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت بوعلی قلندر پانی پتیؒ:۔ آپ صاحب جذب بزرگ تھے، پانی پت (ہریانہ) میں پیدا ہوئے، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ہم عصر تھے، پانی پت کے راجپوت مسلمانوں کے اندر آپ نے بڑا اصلاحی کام کیا ۱۳۲۴ء میں آپ کی وفات ہوئی، پانی پت میں آپ کا مزار ہے، مولانا رومؒ اور شمس تبریزیؒ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ:۔ آپ کا پورا نام سید محمد بن سید احمد تھا لیکن حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے نام سے مشہور ہوئے، آپ کا خاندان جس کا تعلق حضرت علیؓ سے تھا بخارا سے ہجرت کرتے ہوئے بدایوں (ہندوستان) میں آباد ہو گیا تھا، ۱۲۳۸ء میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ نے شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے بیعت کی اور ان ہی سے آپ کو خلافت ملی، آپ کا زمانہ ہندوستان

میں خلجیوں کی حکومت کا تھا، حضرت امیر خسرو آپ ہی کے خلیفہ تھے، ۱۳۲۴ء
میں آپ کی وفات ہوئی، بستی نظام الدین دہلی میں آپ کا مزار ہے، آپ سے
اللہ تعالیٰ نے اصلاح و دعوت کا بڑا کام لیا، آپ کے ملفوظات کا مجموعہ فوائد الفواد ہے
آپ کو سلطان المشائخ بھی کہا جاتا ہے۔

امیر خسرو :۔ برِ صغیر میں فارسی کے مشہور صوفی شاعر اور حضرت
نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ، ۱۳۲۵ء میں انتقال ہوا اور دہلی میں اپنے شیخ سے
متصل ہی مدفون ہوئے، آپ جلال الدین خلجی کے زمانے کے تھے، غیاث الدین
تغلق کا زمانہ بھی پایا، آپ کی متعدد تصانیف ہیں، آپ نے عربی اور ہندی میں بھی
اشعار کہے۔

حضرت چراغ دہلویؒ :۔ اودھ میں پیدا ہوئے، آپ کے آباء واجداد
خراسان سے ہندوستان آئے تھے، آپ کا اصلی نام عبدالواحد نصیر الدین محمود بن
یحییٰ تھا، آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ تھے، دہلی میں قیام تھا، آپ
سے اصلاح و تجدید کا کام بڑے پیمانہ پر انجام پایا، ۱۳۵۶ء میں آپ کی وفات
ہوئی، یہیں آپ کا مزار بھی ہے۔
آپ کا زمانہ سلطان محمد تغلق کی حکومت کا تھا، حضرت خواجہ گیسو درازؒ
آپ ہی کے خلیفہ تھے اور آپ ہی کے حکم سے دکن گلبرگہ گئے تھے، آپ کے
ملفوظات کا مجموعہ خیر المجالس کے نام سے شائع ہوا ہے۔

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ :۔ آپ ہمدان (ایران) سے ہندوستان تشریف لائے، آپ سے کشمیر کے علاقہ میں اشاعتِ اسلام کا بڑا کام ہوا، بتایا جاتا ہے کہ آپ کے ہاتھ پر ۳۷ ہزار کشمیریوں نے اسلام قبول کیا، ۱۳۸۴ء میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں سرِ فہرست مجمع الاحادیث ذخیرۃ السلوک اور مرآۃ التائبین وغیرہ ہیں۔

حضرت شرف الدین یحییٰ مَنیریؒ :۔ آپ بہار کے مَنیر گاؤں میں ۱۲۶۳ء میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے منیری کہلائے، آپ سے اللہ تعالیٰ نے دعوت واصلاح کا بڑا کام لیا، آپ کے اصلاحی مکتوبات وملفوظات کو بڑی شہرت ملی جن میں مکتوبات صدی وسہ صدی وغیرہ سرِ فہرست ہیں، آپ کا زمانہ ہندوستان میں آلِ تغلق کی حکومت کا تھا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ :۔ آپ کا نام سید محمد حسین تھا آپ حضرت حسین بن علیؓ کے خاندان سے تھے، آپ کا خاندان دہلی سے سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں گلبرگہ پہنچا جو اس وقت دکن میں بہمنی سلطنت کا دارالخلافہ تھا، آپ کا اصلاحی تعلق حضرت چراغ دہلویؒ سے تھا، ان ہی سے آپ کو خلافت بھی ملی، ۱۴۲۲ء میں گلبرگہ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کی متعدد تصانیف تفسیر وتصوف کے موضوع پر ہیں جن کی تعداد سو سے زائد بتائی جاتی ہے

معراج العاشقین کے نام سے آپ کی کتاب کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ یہ قدیم اردو یعنی دکنی زبان کی پہلی مطبوعہ کتاب ہے۔

حضرت مخدوم علی مہائمیؒ :۔ آپ کا تعلق مشہور عرب قبیلہ نوائط سے تھا، آپ اپنے وقت کے بڑے اور جید عالمِ دین تھے، ربطِ قرآن کے خصوصی ذکر کے ساتھ آپ کی تفسیرِ مہائمی یعنی تبصیر الرحمٰن آپ کی مشہور تصنیف ہے، بقول مشہور مورخ مولانا حکیم عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ "ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ حقائق نگاری میں شیخ علی مہائمیؒ کی کوئی نظیر نہیں ملتی"، ۱۴۳۲ء میں صرف ۵۹ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی آپ کا مزار مہائم ممبئی میں ہے، آپ کی متعدد تصانیف میں تفسیرِ مہائمی کے علاوہ شرح عوارف المعارف وغیرہ ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ :۔ آپ کا اصلی نام سید رضی الدین احمد عبدالباقی تھا، آپ کابل (افغانستان) کے رہنے والے تھے، سمرقند میں دینی تعلیم حاصل کی پھر ترکستان سے لاہور ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے، مشہور بزرگ شیخ احمد سرہندی یعنی مجدد الف ثانیؒ آپ ہی کے خلیفہ تھے ، ۱۶۰۳ء میں آپ کی وفات ہوئی، دہلی میں آپ کا مزار ہے، مغل بادشاہ اکبر کے خود ساختہ دینِ الٰہی کے سدِ باب میں آپ کا بڑا اہم رول تھا۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرہندی):- آپ کا نام احمد سرہندی تھا لیکن مجدّد الف ثانیؒ کے نام سے آپ کی شہرت ہوئی، آپ ۱۵۶۴ء میں سرہند (ہندوستانی پنجاب) میں پیدا ہوئے، ۱۶۲۴ء میں یہیں آپ کی وفات بھی ہوئی آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت تھے اور ان ہی کے خلیفہ بھی، مغل بادشاہ اکبر کے خود ساختہ دین اکبری (دین الٰہی) کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، بادشاہ کو سجدہ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ سے مغل بادشاہ جہانگیر کے زمانہ میں آپ گوالیار کے قلعہ میں ایک سال قید رہے، اپنے وقت کے حکمرانوں کے نام آپ کے اصلاحی خطوط کی بڑی شہرت ہوئی، یہ ۳۱۳ خطوط مکتوبات کی شکل میں تین جلدوں میں ہیں آپ نے اپنے زمانہ کے علماء کے غلط خیالات کی اصلاح بھی کی اور عامۃ المسلمین میں تصوّف کے نام سے غلط مروجہ رسومات کی تصحیح بھی فرمائی اور طریقت کے مقابلہ میں شریعت کی برتری ثابت کی۔

حضرت سید آدم بنوریؒ:- آپ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے اجل خلفاء میں تھے، آپ کا وطن سرہند سے ۲۰ میل پر واقع بنور تھا، ۱۶۴۳ء میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی، مغل بادشاہ شاہ جہاں کے زمانہ میں آپ سے اصلاح و دعوت کا بڑا اہم کام انجام پایا، آپ کے ممتاز تربیت یافتہ مریدین میں حضرت شاہ علم اللہ صاحب حسنیؒ رائے بریلوی بھی تھے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ:۔ آپ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے صاحبزادے تھے، ۱۵۹۹ء میں پیدا ہوئے اور اورنگ زیب کے زمانہ میں ۱۶۶۸ء میں وفات ہوئی، اپنے وقت کے بلند پایہ بزرگ اور صاحب طریقت عالمِ دین تھے، آپ کے اصلاحی مکتوبات کو بھی بڑی شہرت ملی، مغل بادشاہ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ:۔ آپ کا پورا نام شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی تھا، آپ مغل بادشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان کے نامور عالم دین تھے، آپ نے پورے برِّصغیر ہندو پاک میں علمِ حدیث شریف کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا، مختلف دینی موضوعات پر آپ نے ۵۰ سے زائد کتابیں لکھیں، ۱۶۴۲ء میں آپ کی وفات ہوئی، بقول علاّمہ سید سلیمان ندویؒ ''ہندوستان میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے دین کی تجدید کی اور شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے علومِ دین کا احیاء کیا''۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ:۔ آپ مشہور عالم دین شاہ عبدالرحیمؒ کے صاحبزادے تھے، ۱۷۰۲ء میں آپ کی ولادت ہوئی، حجازِ مقدّس جا کر آپ نے علمِ حدیث حاصل کیا، برِّصغیر کے تمام علماء میں آپ علمی مرتبہ میں سب سے ممتاز تھے، قرآن مجید کا فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن کے نام سے کیا، احکامِ شریعت کے اسرار

اور حکمتوں پر مشتمل مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ کے علاوہ آپ نے موطأ شریف کی شرح بھی لکھی ، پورا عالمِ اسلام آج بھی آپ کے علمی مرتبہ کا معترف ہے ۱۷۶۲ء میں اس وقت آپ کی وفات ہوئی جب مغلیہ سلطنت کا چراغ بجھنے ہی والا تھا اور دہلی پر مغل بادشاہ شاہ عالم کی حکومت تھی، آپ کے چار صاحبزادے تھے جن کا شمار ہندوستان کے نامور علماء میں ہوا :۔

(۱) شاہ عبدالعزیز (۲) شاہ رفیع الدین (۳) شاہ عبدالقادر (۴) شاہ عبدالغنی ۔

شاہ عبدالعزیزؒ :۔ آپ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے اور آپ کے خلیفہ تھے ، چار بھائیوں میں سب سے اخیر ۱۸۲۳ء میں آپ کی وفات ہوئی ، سب سے پہلے آپ ہی نے انگریزوں کے خلاف ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا اور اس سلسلہ میں فتویٰ بھی جاری کیا، آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سب سے مشہور تفسیر فتح العزیز یعنی تفسیرِ عزیزی ،تحفۂ اثنا عشریہ بستان المحدّثین اور فتاویٰ عزیزی ہیں ۔

شاہ رفیع الدینؒ :۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے دوسرے صاحبزادے ۱۷۵۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی ،قرآن مجید کا سب سے پہلے اردو میں تحت اللفظ یعنی لفظ بلفظ ترجمہ آپ ہی نے کیا تھا، آپ بڑے محدّث اور صاحبِ علم تھے فارسی وعربی میں آپ کی متعدد تصانیف مقدمۃ العلم، کتاب التکمیل ،رسالہ دفع الباطل اور رسالہ عروض وغیرہ ہیں، ۱۸۱۸ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

شاہ عبدالقادرؒ:۔ آپ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے تیسرے صاحبزادے تھے، اردو میں قرآن مجید کا سب سے پہلا بامحاورہ ترجمہ آپ ہی نے کیا اور موضح القرآن کے نام سے اس کی مختصر تفسیر بھی لکھی، آپ کو عربی زبان پر بڑا عبور حاصل تھا، ۱۸۱۵ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

شاہ عبدالغنیؒ:۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے والد محترم تھے، بھائیوں میں سب سے پہلے آپ ہی کی وفات ۱۷۸۹ء میں ہوئی جب آپ کی عمر صرف ۳۲ سال تھی۔

حضرت سید احمد شہیدؒ:۔ ۱۷۸٦ء میں رائے بریلی اتر پردیش کے حسنی خاندان میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسن بن علیؓ سے جا ملتا ہے، آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت تھے، اللہ نے آپ سے تجدید دین اور اصلاح امت کا بڑا اور اہم کام لیا ہندوستان کی پوری تاریخ میں آپ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے طرز پر اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی کوشش کی اور پورے برِصغیر کے مسلمانوں میں غیر ملکی قبضہ کے خلاف جہاد کی روح پھونکی سکھوں کے خلاف صوبہ سرحد کے بالاکوٹ کے میدان میں مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے ۱۸۳۱ء میں آپ شہید ہوئے، ۱۸۲۰ء میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ آپ نے اس وقت حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا جب، ہندوستان سے

حاجیوں کے جانے کا سلسلہ تقریباً موقوف ہوگیا تھا، عالم اسلام کے مشہور بزرگ اور داعی مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا خاندانی ونسبی تعلق بھی حضرت سید احمد شہیدؒ کے اسی گھرانہ سے تھا۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ:۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پوتے اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے صاحبزادے، اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین اور مصلح تھے، حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کی اور آپ ہی کے ساتھ زندگی گزاری، ۱۸۳۱ء میں معرکہ بالاکوٹ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ شہید ہوئے، آپ سے تصحیح عقائد اور اصلاح دین کا بڑا اہم کام انجام پایا، عقائد کے موضوع پر تقویۃ الایمان کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب آپ نے لکھی جس سے لاکھوں لوگوں کی اصلاح ہوئی۔

مولانا کرامت علی جونپوریؒ:۔ آپ حضرت سید احمد شہیدؒ کے کبار خلفاء میں تھے، ۱۸۷۳ء میں رنگ پور بنگال میں وفات ہوئی، اپنے شیخ حضرت سید احمد شہیدؒ کے حکم پر آپ نے بنگال و آسام میں ۵۱ سال تک دعوت وارشاد کا کام کیا، جس کے نتیجہ میں لاکھوں لوگوں کی اصلاح ہوئی اور ہزاروں بندگانِ خدا نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، آپ بلند پایہ مصنف بھی تھے، پچاس سے زائد آپ نے کتابیں تصنیف کیں، غیر ملکی سامراج کے خلاف بھی آپ نے مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

تیرھواں باب

جنگِ آزادی کے نامور مجاہدین

سلطان ٹیپو شہیدؒ

سلطان ٹیپو شہیدؒ ہندوستان کی تاریخ کا وہ نام ور مسلم حکمراں تھا جس نے ملک کو انگریزوں سے آزاد رکھنے کے لیے اپنی جان تک قربان کر دی، وہ ایک قابل حاکم، نیک وصالح بادشاہ، اور مفکر وعالم تھا، ۴۵ سے زائد کتابیں لکھیں بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ "ہندوستانی تاریخ اس سے زیادہ بلند ہمت، بالغ نظر، مذہب ووطن کے فدائی اور غیر ملکی دشمن سے آشنا نہیں، انگریزوں کے لیے ٹیپو سے زیادہ مہیب اور قابل نفرت شخصیت کوئی نہیں تھی"۔

اس کا تاریخی مقولہ تھا" گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"، اس کی شہادت نے ہندوستان کی بنتی ہوئی تاریخ کا رخ بدل دیا اور ملک کو برطانوی اقتدار کے حوالہ کر دیا، وہ عالمی سطح پر اتحاد اسلامی کا داعی تھا اس نے شراب ومنشیات کی فروخت پر پابندی لگا دی تھی،، دربار میں سجدہ تعظیمی کی ممانعت تھی، جنگ میں مسلسل مصروف رہنے کے باوجود بلوغ کے بعد سے شہادت تک اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، ہمیشہ باوضو رہتا، سر پر عمامہ باندھتا، روزانہ فجر بعد ایک گھنٹہ قرآن کی تلاوت کا معمول تھا، انگریزوں کے خلاف ملک کی آزادی کے لیے لڑتے ہوئے ۱۷۹۹ء میں اس کی شہادت کا عظیم سانحہ پیش آیا، اس کی حکومت

سلطنت خدادادکی تفصیلات پچھلے صفحات میں خود مختار مسلم حکومتوں کے عنوان کے تحت گذر چکی ہیں۔

علماء صادقپور:۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی بالاکوٹ میں شہادت کے بعد اس تحریک سے وابستہ مجاہدین نے ہندوستان میں بہار کے عظیم آباد (پٹنہ) کے محلہ صادقپور کو مرکز بنا کر اپنا مشن جاری رکھا اور غیر ملکی سامراج کے خلاف مجاہدین کو از سرنو منظم کیا، علماء کی یہ جماعت بعد میں علماء صادقپور کے نام سے مشہور ہوئی، اس میں سرِ فہرست مولانا سید محمد علیؒ صاحب رامپوری، مولانا ولایت علیؒ صاحب عظیم آبادی، مولانا احمد اللہؒ صاحب اور مولانا یحییٰؒ صاحب عظیم آبادی وغیرہم سرِ فہرست تھے بقول مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ "علماء صادقپور کی اس تحریک سے عام مسلمانوں میں جہاد کا جو جذبہ دولولہ پیدا ہوا اس کی مثال کم سے کم ہندوستان میں اس سے پہلے اور اس کے بعد نہیں ملتی"۔

۱۸۶۴ء میں انگریزوں نے اپنے خلاف سازش کے مقدمہ میں بشمول مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا جعفر صاحب تھانسیریؒ، مولانا یحییٰؒ صاحب عظیم آبادی آٹھ لوگوں کو پھانسی کی سزا سنائی اور صادقپور میں ان مجاہدین کے مکانات کو مسمار کر دیا، بعد میں پھانسی کی اس سزا کو منسوخ کر کے ان کو کالا پانی (انڈومان) میں قید کر دیا گیا، اسی قید میں مولانا یحییٰ صاحب اور مولانا احمد اللہ صاحب کی وفات ہوئی اور بقیہ لوگوں کو ۱۸۸۳ء میں انیس سال کے بعد رہا کیا گیا

بہادر شاہ ظفر :۔ یہ مغلیہ سلطنت کا آخری بادشاہ تھا، انگریزوں کے خلاف اس کو ۱۸۵۷ء میں دہلی کا بادشاہ بنانے کا ہندوستانی انقلابیوں نے اعلان کیا تھا جس کے بعد انگریزوں نے اس کے دو شہزادوں کو ہمایون کے مقبرہ سے گرفتار کر کے گولی مار کران کا سر طشت میں سجا کر اس کو پیش کیا، اس کے بعد پھر اس کو جلاوطن کر کے رنگون میں قید کر دیا گیا جہاں اس کا بڑی کسمپرسی کی حالت میں ۱۸۸۲ء میں انتقال ہوا۔

احمد اللہ شاہ :۔ آخری قطب شاہی بادشاہ ابوالحسن تاناشاہ کے فرزند جلال الدین کے پوتے اور ۱۸۵۷ء کے مجاہدین آزادی کے سرخیل جنھوں نے انگریزوں کے خلاف اکثر مہموں اور یورشوں کی قیادت کی، ان کے سر پر انگریزوں نے پچاس ہزار کا انعام مقرر کیا تھا، راجہ پوین جگناتھ سنگھ نے دھوکے سے ۱۸۵۸ء میں ان کو شہید کر کے یہ انعام حاصل کیا، وہ حب الوطنی اور بہادری میں بے نظیر تھے جس کا اعتراف خود انگریزوں نے بھی کیا۔

لکشمی بائی (جھانسی کی رانی) :۔ وہ مہاراشٹرا کے ایک برہمن مدر پنت کی بیٹی تھی جس کی شادی جھانسی کے راجہ گنگا دھر راؤ سے ہوئی تھی، ہندوستان پر انگریزوں کے قبضہ کے خلاف جنگوں میں وہ پیش پیش رہی، ۱۸۵۸ء میں گوالیار کے قریب میدان میں لڑتی ہوئی ماری گئی۔

تانتیا ٹوپے:۔ مشہور مرہٹہ سردار تھے، جھانسی کی رانی کی ملک کی آزادی کے لیے مدد کی، انگریزوں کے خلاف ہمیشہ پیش پیش رہے، جنگل میں روپوش ہونے کے بعد ۱۸۵۹ء میں انگریزوں نے ان کو گرفتار کر کے پھانسی دی۔

نانا صاحب:۔ مشہور مرہٹہ سردار جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان کا اصل نام ڈھنڈو پنتھ تھا، انگریز اپنے خلاف کانپور قتل عام کی واردات کا ذمہ داران ہی کو سمجھتے تھے جس کے بعد وہ نیپال چلے گئے اور ۱۸۵۹ء میں وہیں انتقال کر گئے

مولانا فضلِ حق خیر آبادی:۔ جنگ آزادی کے مشہور مسلم رہنما اور ممتاز مسلم عالم دین اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے شاگرد، انگریزوں نے جنگ آزادی میں ان کی نمایاں شرکت کی پاداش میں ان کو کالا پانی (انڈمان) میں قید کر دیا تھا، اسی قید میں ۱۸۶۱ء میں ان کی وفات ہوئی، آپ بڑے مصنف اور محقق بھی تھے، آپ کی کتاب الثورة الهندية میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی پوری تفصیل موجود ہے۔

حضرت محل:۔ اودھ کے نواب واجد علی شاہ کی بیگم جنھوں نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی، بالآخر مجبور ہو کر نیپال جا کر پناہ لی اور انگریزوں کے وظیفہ کو ٹھکرا دیا، ۱۸۷۹ء میں انتقال ہوا، بڑی باہمت اور بہادر خاتون تھی، لکھنؤ اتر پردیش میں موجود مشہور میدان بیگم حضرت محل پارک ان ہی کی طرف منسوب ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: ہندوستان میں کاروانِ حریت کے عظیم رہنما، عالم ربانی اور دارالعلوم دیوبند کے بانی، اتر پردیش میں ضلع سہارنپور کے نانوتہ کے رہنے والے تھے جہاں آپ کی ۱۸۳۳ء میں ولادت ہوئی حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ پیش پیش رہے، صرف ۴۷ سال کی عمر میں ۱۸۸۰ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

بدرالدین طیّب جی:۔ کانگریس کے اہم رہنما تھے، آپ نے برِصغیر کے مسلمانوں میں سب سے پہلے برطانیہ جاکر قانون کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی اسلامی شعائر کے بڑے پابند تھے، ممبئی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز رہے، ممبئی میں انجمنِ اسلام تعلیمی ادارہ کے بانی تھے، ۱۹۰۶ء میں وفات ہوئی۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ:۔ آپ ہندوستان میں تحریک آزادی کے سب سے ممتاز مسلم مذہبی رہنما، دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس، جامعہ ملیہ دہلی کے بانی، حضرت حاجی امداد اللہؒ کے خلیفہ اور ریشمی رومال تحریک کے اصل محرک تھے، حجاز سے واپسی پر شریف مکہ نے انگریزوں کے اشارہ پر آپ کو گرفتار کیا اور ان کے حوالہ کیا، اس کے بعد آپ کو بحیرۂ روم کے جزیرہ مالٹا میں جو اس وقت انگریزوں کے قبضہ میں تھا قید کردیا گیا، اس لیے آپ اسیر مالٹا بھی کہلائے

۱۹۲۰ء میں آپ رہا ہو کر ہندوستان واپس آئے اور اسی سال انتقال کر گئے، آپ دیوبند میں مدفون ہیں۔

مہندر پرتاپ سنگھ:۔ ہندوستان کے انقلابی رہنما جن کی ولادت ۱۸۸۶ء میں ہوئی، ملک کی آزادی کے لیے خفیہ تحریک میں آپ نے حصہ لیا اور اس کے لیے بیرونی ممالک کا بھی سفر کیا، ۱۹۱۵ء میں جب افغانستان کے کابل شہر میں ہندوستان کی جلاوطن عبوری حکومت قائم ہوئی تو اس کے آپ صدر منتخب ہوئے، ملک کی آزادی کے بعد پارلیمان کے رکن بھی منتخب ہوئے۔

حکیم اجمل خان:۔ تحریکِ آزادی کے نامور قائد تھے، دہلی میں موجود طبیہ کالج ان ہی کی یادگار ہے، انگریزوں نے ان کو " حاذق الملک " کا خطاب دیا تھا لیکن انھوں نے اس کو واپس کر دیا جس کے بعد عوام نے ان کو " مسیح الملک " کا خطاب دیا، خلافت تحریک اور تحریکِ ترکِ موالات میں آپ پیش پیش رہے، کانگریس کے اہم لیڈران میں تھے، پہلی جنگِ عظیم سے متاثر ہونے والے فلسطینیوں اور شام کے مسلمانوں کی آپ نے بڑی مدد کی، ۱۹۲۷ء میں وفات ہوئی، دیہی طب کے باوا آدم کہلاتے تھے۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی:۔ برصغیر کے مشہور عالم اور تحریک آزادی کے نامور قائد، ان کی باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے انگریزوں کو ان کی تلاش تھی جس کے بعد خفیہ طور آپ ہندوستان سے باہر چلے گئے، کابل میں مولانا

عبید اللہ سندھیؒ نے ہندوستان کی جو آزاد عبوری حکومت قائم کی تھی اس میں بطور وزیر اعظم آپ ہی کا انتخاب ہوا تھا، سانس فرانسسکو (امریکہ) میں ۱۹۲۷ء میں جلاوطنی کے دوران آپ کی وفات ہوئی۔

بھگت سنگھ:۔ پنجاب سے تعلق رکھنے والا جنگِ آزادی کا سب سے کم عمر انقلابی نوجوان جس کو صرف ۲۴ سال کی عمر میں انگریزوں نے ۱۹۳۱ء میں لاہور جیل میں پھانسی دی، اس پر ایک انگریز افسر سانڈرس کے قتل کا الزام تھا، مولانا حسرت موہانیؒ کا دیا ہوا "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ اسی کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا۔

مولانا محمد علی جوہرؒ:۔ ہندوستان میں جنگِ آزادی کے اہم ہیرو اور مسلمانوں کے اپنے وقت کے سب سے بڑے سیاسی و مذہبی رہنما، ولادت ۱۸۷۸ء میں ہوئی، رامپور آپ کا وطن تھا، علی گڑھ سے تعلیم کے بعد برطانیہ میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، انگریزی اور اردو کے بہترین خطیب تھے، ۱۹۱۱ء میں انگریزی میں کامریڈ اخبار جاری کیا، اسی طرح اردو میں اخبار ہمدرد شروع کیا، تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے آپ روحِ رواں تھے، آپ ایک بہترین شاعر بھی تھے، جوہر آپ کا تخلص تھا، ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے اور وہاں انگریزوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ ملک کی آزادی کا پروانہ لیے بغیر میں ملک واپس نہیں جاؤں گا ۱۹۳۱ء میں وہیں پر وفات ہوئی اور بیت المقدس میں مدفون ہوئے، ان کی

والدہ بی اماں سے ان کو تحریک آزادی میں بڑی تقویت ملی، اس وقت عوام الناس میں ان کے متعلق یہ شعر بہت مقبول ہوا۔

بولی اماں محمد علی کی　　جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ تیرے ہیں شوکت علی بھی　　جان بیٹا خلافت پہ دے دو

مولانا شوکت علیؒ:۔ مولانا محمد علی جوہرؒ کے بڑے بھائی، رامپور میں ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے، تحریکِ خلافت میں آپ پیش پیش رہے، ۱۹۳۱ء میں لندن کی پہلی گول میز کانفرنس میں شریک رہے، ۱۹۱۹ء میں دوسال قید ہوئے، ۲۷ نومبر ۱۹۳۸ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

سروجنی نائیڈو:۔ جنگِ آزادی کی نامور ہیرو، ۱۸۷۹ء میں حیدرآباد دکن میں ہندوؤں کے برہمن خاندان میں پیدا ہوئی، اعلیٰ تعلیم برطانیہ سے حاصل کی انگریزی زبان کی بہترین شاعرہ تھیں، ان کے مجموعہ کلام کے ترجمے مختلف یورپی زبانوں میں بھی ہوئے، ۱۹۲۵ء میں کانگریس کی صدر بنی، ۱۹۴۹ء میں انتقال ہوا، ملک کی آزادی کے بعد اتر پردیش کی گورنر بھی بنی۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ:۔ ۱۸۷۳ء میں سیالکوٹ پاکستان کے ایک سکھ گھرانہ میں آپ کی ولادت ہوئی، بچپن ہی میں اسلام قبول کیا، ابتدائی تعلیم

کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے پاس تشریف لے گئے وہیں تعلیم حاصل کی اور ان ہی کی تربیت میں رہے، ۱۹۱۴ء کے بعد آپ شیخ الہندؒ کی تحریک کے سلسلہ میں افغانستان چلے گئے، ملک کی آزادی کے لیے شیخ الہندؒ سے آپ خط و کتابت ریشمی کپڑے پر کرتے تھے تاکہ انگریزوں کی نظروں سے محفوظ رہے لیکن انگریز حکومت کو اس کا پتہ چل گیا اور شیخ الہندؒ حجاز میں گرفتار ہوئے، یہی تحریک بعد میں ریشمی رومال تحریک کہلائی، ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس آئے اور جامعہ ملّیہ میں مدرّس ہوئے، ملک کی آزادی میں آپ کا بڑا حصہ تھا، ملک کی آزادی کی فضاء کو ہموار کرنے کیلئے یورپ وغیرہ میں کئی سال گذارا، ۱۹۴۴ء میں آپ کی وفات ہوئی، آپ بیک وقت دینی وسیاسی دونوں میدانوں کے شہسوار تھے۔

سبھاش چندر بوس:۔ بنگال کے مشہور قوم پرست رہنما، گاندھی جی کی تحریکِ عدمِ تعاون میں پیش پیش رہے، شروع میں کانگریس میں رہے، بعد میں گاندھی جی سے اختلاف کے بعد الگ ہوگئے اور فارورڈ بلاک کے نام سے الگ سیاسی محاذ بنایا، انگریزوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو بھیس بدل کر افغانستان پہنچ گئے، پھر وہاں سے جرمن پھر جاپان پہنچ گئے، وہاں انھوں نے ہندوستانی اسیرانِ کی ایک فوج تیار کی، ۱۹۴۵ء میں طیارہ کے ایک حادثہ میں وفات ہوئی، ان کے ماننے والے انھیں نیتا جی کہتے تھے۔ "جے ہند" کا نعرہ سب سے پہلے انھوں نے ہی دیا تھا، وہ گاندھی جی کی عدمِ تشدّد تحریک سے متفق نہیں تھے بلکہ ان

کا خیال تھا کہ ہندوستان سے غیر ملکیوں اور انگریزوں کو طاقت کے بل پر ہی نکالا جاسکتا ہے۔

مہاتما گاندھی:۔ آپ کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا ۱۸۶۹ء میں گجرات کے مقام پور بندر میں پیدا ہوئے، جنگِ آزادی ہند کے آپ اہم رہنما تھے، پیشے سے وکیل تھے، قانون کی تعلیم برطانیہ میں حاصل کی جہاں سے ۱۸۹۳ء میں جنوبی افریقہ چلے گئے تاکہ وہاں سے نسلی امتیاز کو ختم کرنے کے لیے آواز اٹھا سکیں، ۱۹۱۵ء میں ہندوستان واپس لوٹے، ملک کی آزادی کے لیے متعدد بار قید ہوئے، آپ نے متعدد تحریکیں شروع کیں، تحریکِ عدم تعاون، سودیشی تحریک اور ہندوستان چھوڑو تحریک آپ ہی کی شروع کی ہوئی تھی، ۱۹۳۱ء میں کانگریس کی طرف سے ملک کی آزادی کے موضوع پر مذاکرات کے لیے آپ نے لندن کی گول میز کانفرنس میں شرکت کی، آپ بڑے محبِ وطن اور مختلف مذاہب کے درمیان امن و محبت اور عدم تشدد کے داعی تھے ، ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو آپ کی مصالحانہ اور پرامن کوششوں سے ناراض ہو کر مرہٹہ قوم سے تعلق رکھنے والے ہندو تنظیم آر ایس ایس کے رکن ناتھورام گوڈسے نے آپ کو قتل کر دیا، اس طرح آپ ملک کی آزادی کے بعد ایک سال بھی زندہ نہیں رہ سکے۔

جواہرلال نہرو:۔ آپ موتی لال نہرو کے فرزند تھے، ۱۴ نومبر ۱۸۸۹ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئے برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی، پیشہ سے وکیل تھے ملک کی آزادی میں آپ کا اہم رول تھا، اس کے لیے آپ نو مرتبہ جیل گئے، چار مرتبہ آل انڈیا کانگریس پارٹی کے صدر رہے، ملک کی آزادی کے بعد سب سے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے اور ۱۹۶۴ء اپنی وفات تک اسی عہدہ پر فائز رہے، آپ ایک اچھے مقرر ومصنف بھی تھے، DISCOVERY OF INDIA (تلاش ہند) آپ کی مشہور تصنیف ہے ، ہندوستان کی پہلی خاتون وزیر اعظم اندرا گاندھی آپ ہی کی دختر تھیں۔

مولانا حسرت موہانی ؒ:۔ آپ کا نام سید فضل الحسن تھا، ۱۸۷۵ء میں موہان (اودھ) میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے، ملک کی آزادی میں آپ کا بڑا حصہ تھا بالخصوص ریشمی رومال تحریک میں آپ پیش پیش رہے، آپ بہت بڑے اور مقبول شاعر تھے، آپ کی غزلوں کو بڑی شہرت ملی حسرت آپ کا تخلص تھا، اپنے رسالہ اردوئے معلیٰ کے ذریعہ آپ نے اردو زبان کی بڑی خدمت کی، کلیاتِ حسرت، نکاتِ سخن اور محاسن ومعائب سخن آپ کی مشہور تصانیف ہیں، ۱۹۵۱ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

مولانا ظفر علی خانؒ:۔ تحریکِ آزادی کے قومی رہنما، نامور شاعر، ثانی اور ادیب، ملک کی آزادی کے لیے آپ کی قربانیاں ناقابل فراموش

ہیں، اس کے لیے آپ نے گھر بار اور جائیداد تک کی قربانیاں دیں، برطانوی استبداد کے خلاف آپ نے غیر معمولی صعوبتیں برداشت کیں اور قید بھی ہوئے، اخبار زمیندار کے آپ بانی و مدیر تھے جس نے تحریکِ آزادی میں اہم رول ادا کیا ۱۹۵۶ء میں وفات ہوئی۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ:۔ جنگ آزادی کے عظیم رہنما، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تربیت یافتہ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تحریک آزادی کے لیے گرفتار ہوکر قید میں بھی رہے، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ مالٹا میں بھی نظر بند رہے، وفات تک جمعیۃ العلماء ہند کے صدر رہے ۱۹۵۷ء میں انتقال ہوا۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ:۔ پورا نام محی الدین احمد تھا، ۱۸۸۸ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان مکہ مکرمہ سے ہندوستان میں کلکتہ انیسویں صدی کے اواخر میں آیا تھا، ملک کی آزادی کے لیے آپ کی قربانیاں اور مساعی ناقابلِ فراموش ہیں، ۱۹۱۶ء میں انگریز حکومت نے رانچی بہار (موجودہ جھارکھنڈ) میں آپ کو ساڑھے تین سال تک نظر بند رکھا، ۱۹۲۱ء میں دوبارہ گرفتار ہوئے ملک کی آزادی کے خاطر مجموعی طور پر دس سال سے زائد آپ نے قید میں گزارے ۱۹۱۲ء میں ہفتہ وار الہلال جاری کیا جو ۱۹۱۴ء تک چلتا رہا، ۱۹۱۵ء میں رسالہ البلاغ شروع کیا، ۱۹۲۷ء میں الہلال کو دوبارہ جاری کیا، ملک کی آزادی کے

لیے تحریکِ خلافت، ترکِ موالات اور تحریکِ عدمِ تعاون میں آپ پیش پیش رہے، ملک کی آزادی کے بعد سے ۲۱ رفروری ۱۹۵۸ء اپنی وفات تک آپ ملک کے اولین وزیرِ تعلیم رہے، کل ہند کانگریس پارٹی کی صدارت پر بھی آپ دو دفعہ فائز ہوئے، آپ ایک بلند پایہ مقرر، مصنف اور مسلمانوں کے سیاسی و مذہبی رہنما بھی تھے، سیاسی میدان کے علاوہ علمی و دینی میدانوں میں بھی آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، تفسیرِ قرآن میں ترجمان القرآن کے علاوہ غبارِ خاطر آپ کی مقبول تصانیف ہیں، آپ تقسیمِ ہند کے اخیر تک مخالف رہے۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل:۔ ہندوستان کے قوم پرست رہنما جن کی ولادت ۱۸۷۶ء میں ہوئی، پیشہ سے وکیل تھے اور برطانیہ میں اس کی تعلیم حاصل کی انگریزوں کے خلاف آزادی کی مختلف تحریکات میں شامل رہے اور متعدد بار جیل بھی گئے، ۱۹۳۱ء میں کانگریس کے صدر بنے، آزادی کے بعد ملک کے پہلے وزیرِ داخلہ مقرر ہوئے، ملک کی مختلف ریاستوں کو ملا کر متحدہ ہندوستان کے لیے سب سے زیادہ کام انھوں نے ہی کیا، ۱۹۵۰ء میں وفات ہوئی۔

راج گوپال اچاریہ:۔ ہندوستان کے قوم پرست رہنما، پیشہ سے وکیل تھے، جنگِ آزادی میں پیش پیش تھے، ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۰ء ہندوستان کے آخری گورنر جنرل کے عہدہ پر فائز رہے، ان کے بعد ہندوستان میں یہ عہدہ ہی ختم ہوگیا، ۱۹۷۲ء میں وفات ہوئی۔

رفیع احمد قدوائی:۔ کانگریس کے مشہور مسلم رہنما، ملک آزادی کی تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں انہیں قید و بند کی زندگی گزارنی پڑی، آپ ایک بہترین منتظم تھے، ملک کی آزادی کے بعد مختلف وزارتوں پر فائز رہے ۱۹۵۴ء میں عہد وزارت ہی میں اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے انتقال کر گئے۔

جے پرکاش نارائن:۔ آپ نے ہندوستان میں تحریک آزادی کی مختلف تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، پٹنہ بہار کے رہنے والے تھے یم اے کی ڈگری امریکہ سے حاصل کی، ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء کانگریس کے جنرل سکریٹری رہے ۱۹۳۴ء میں الگ اپنی سوشلسٹ پارٹی قائم کی، ۱۹۷۹ء میں وفات ہوئی۔

خان عبدالغفار خان (سرحدی گاندھی):۔ صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے، جنگِ آزادی کی تحریکات میں پیش پیش رہے اور جیل بھی گئے ۱۹۲۹ء میں خدائی خدمت گاروں کی ایک تحریک افغانستان سے شروع کی ۱۹۸۸ء میں وفات ہوئی۔

مصنف کی دیگر کتابیں

سیرت سلطان ٹیپوشہید: مقدمہ کتاب میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ اس مفصل تاریخی وتحقیقی کتاب میں مستند حوالوں سے روشنی ڈالی گئی ہے اور فاضل مصنف نے بڑی لیاقت اور محنت کے ساتھ یہ کام انجام دیا ہے ہندوپاک لکھنؤ وکراچی سے پانچواں ایڈیشن انگریزی آبجیکٹیو اسٹڈیز دہلی، کنڑی جامع العلوم بنگلور، ہندی لکھنؤ

لمحاتِ نبوی: بقول مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی بہت حسین پیرائے واسلوب میں یہ کتاب ضخیم کتابوں پر بھاری ہے جس کے اسلوب میں محبت کی دل آویزی ہے اسمیں نبیؐ رحمت کے معمولات کا وہ حصہ آگیا ہے جو ایک تبع سنت کیلئے ضروری ہے۔ ہندوپاک سے چوتھا ایڈیشن

مفکرِ اسلام نقوش وتأثرات: ڈاکٹر اجتباء صاحب ندوی مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ فاضل مصنف نے اس کتاب میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خصوصیات وامتیازات کا عطر کشید کر دیا ہے۔

اسلام مشرق ومغرب میں: مختلف ممالک میں اسلامی بیداری کا تفصیلی جائزہ ڈاکٹر محسن عثانی صاحب کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں کہ مایوسی کی تاریکیوں میں یہ کتاب امید کی شمع جلاتی ہے، یقین کو مستحکم کرتی ہے اور آگے بڑھنے کا شعور بخشتی ہے۔

دعاوؤں کے معجزانہ اثرات: روزمرہ کی مسنون دعاؤں اور نبوی اذکار واوراد کے انسانی زندگی پر مرتب ہونے والے حیرت انگیز نتائج ومثبت اثرات واقعات کی روشنی میں۔ ہندوپاک سے تیسرا ایڈیشن، انگریزی، ہندی، کنڑ، اردو، ملیالم، تامل